سورۃ المومنون

آیاتہا ۱۱۸ ﴿۲۳ سورۃ المؤمنون مکیۃ ۷۴﴾ رکوعاتہا ۶

تمام علماء کے نزدیک یہ پوری سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

"بیشک دونوں جہاں میں بامراد ہو گئے ایمان والے۔ وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔ اور وہ جو بیہودہ امر سے منہ پھیرے ہوتے ہیں۔ اور وہ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیویوں کے اور ان کنیزوں کے جو ان کے ہاتھوں کی ملکیت ہیں تو بیشک انہیں ملامت نہ کی جائے۔ اور جس نے خواہش کی ان دو کے ماسوا تو یہی لوگ حد سے بہت زیادہ تجاوز کرنے والے ہیں۔ نیز وہ (مومن بامراد ہیں) جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی نمازوں کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہیں۔ جو وارث بنیں گے فردوس (بریں) کے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے"۔

اس میں نو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بیہقی نے حضرت انس کی حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو تخلیق فرمایا اور اپنے دست قدرت سے اس کے درخت لگائے اور اسے فرمایا تو بول تو اس نے کہا: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ" (1) نسائی نے حضرت عبداللہ بن سائب سے روایت کیا ہے فرمایا:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 136

میں فتح مکہ کے دن نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی (1)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نعلین اتارے اور انہیں اپنی بائیں جانب رکھا اور سورۃ المومنون سے تلاوت کی جب حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر پہنچے تو آپ کو کھانسی آگئی آپ نے وہاں رکوع کر دیا۔ امام مسلم نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے۔ امام ترمذی میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کے منہ مبارک سے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسے آواز سنائی دیتی تھی (2)۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی ہم کچھ دیر آپ کے پاس ٹھہرے رہے پھر جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہاتھوں کو بلند کیا اور یہ دعا کی: ''اے اللہ! ہم میں اضافہ کر اور ہم میں کمی نہ کر اور ہمیں خوش رکھ اور ہم سے راضی ہو جا''۔ پھر فرمایا: ''مجھ پر دس آیات نازل ہوئی ہیں جوان پر عمل پیرا ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا''۔ پھر یہ آیات پڑھیں: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، دس آیات تک۔ ابن عربی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ نحاس نے کہا: من اقامھن کا مطلب ہے جس نے ان پر عمل کیا اور جوان میں احکام ہیں ان کی مخالفت نہ کرے جیسے تو کہتا ہے: فلان یقوم بعملہ فلاں اپنا کام کرتا ہے۔ پھر ان آیات کے بعد وضو اور حج کا فرض نازل ہوا پس وہ بھی ان کے ساتھ داخل ہو گیا۔ طلحہ بن مصرف نے قَدْ اُفْلِحَ الْمُؤْمِنُوْنَ یعنی الف کے ضمہ کے ساتھ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی ثواب اور خیر میں باقی رکھے گئے۔ الفلاح کا لغوی اور شرعی معنی سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خٰشِعُوْنَ ۝ معتمر نے خالد سے انہوں نے حضرت محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ کی جگہ دیکھتے تھے اور ہشیم نے روایت کی ہے کہ مسلمان نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہوتے تھے اور ادھر ادھر دیکھتے تھے حتیٰ کہ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ کا ارشاد نازل ہوا تو وہ اپنی نمازوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے سامنے دیکھنا شروع کیا۔ سورۂ بقرہ میں فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرہ: 144) کے تحت علماء کے اقوال نمازی کی نماز کی حالت میں دیکھنے کے بارے میں گزر چکے ہیں کہ وہ نماز میں کس جگہ نظر رکھے۔ اسی طرح خشوع کا لغوی معنی وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ ۝ (البقرہ) کے تحت گزر چکا ہے۔ خشوع کا محل دل ہے دل میں خشوع ہوتا ہے تو اس کے خشوع کی وجہ سے تمام اعضاء میں خشوع ہوتا ہے کیونکہ وہ جسم کی سلطنت کا بادشاہ ہے جیسا کہ ہم نے سورۂ بقرہ میں بیان کیا ہے۔ جب کوئی عالم نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ نماز میں کسی چیز کی طرف نظر کرنے اور نفس میں کسی دنیا کی چیز کا خیال لانے سے رحمٰن سے ڈرتا ہے۔ عطا نے کہا: وہ نماز میں اپنے جسم کے کسی حصہ سے نہیں کھیلتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص کو نماز میں اپنی داڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا'' (3)۔ حضرت ابوذر نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو

1۔ سنن نسائی، قرأت بعض السورۃ، جلد 1، صفحہ 156　2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ مومنون، جلد 2، صفحہ 146

3۔ کنز العمال، باب الخشوع، جلد 3، صفحہ 146، حدیث 5891

رحمت اس کے سامنے ہوتی ہے پس وہ کنکریوں کو حرکت نہ دے"(1)۔ اس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ شاعر نے کہا: غور سے سنو نماز میں ساری خیر و برکت ہے کیونکہ اس میں اعضاء اللہ کے لیے عجز و نیاز کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ہماری شریعت کا نماز پہلا فرض ہے۔ اور آخر میں بھی یہی باقی رہے گا جب دین اٹھالیا جائے گا جو تکبیر کے لیے کھڑا ہوتا ہے اس سے رحمت الٰہی ملاقات کرتی ہے گویا غلام اپنے آقا کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے اور نماز میں انسان اپنے رب سے سرگوشی کرنے والا ہوتا ہے۔ مبارک ہو اگر اسے خشوع نصیب ہو۔ ابوعمران جونی نے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کیا تھا فرمایا کیا تم سورۃ المومنون پڑھتے ہو؟ عرض کی گئی: ہاں۔ فرمایا: وہ پڑھو تو سورۃ المومنون قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ سے لیکر یُحَافِظُوْنَ ۝ تک پڑھی(2)۔ نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پہلے دائیں بائیں دیکھتے تھے لیکن پیٹھ کے پیچھے گردن نہیں پھیرتے تھے(3)۔ حضرت کعب بن مالک نے ایک طویل حدیث میں کہا: میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نماز پڑھتا تھا اور میں چوری چوری آپ کو دیکھتا تھا جب میں اپنی نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھتے تھے اور جب میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تھا تو مجھ سے اعراض فرمالیتے تھے۔ (الحدیث) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب کو نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ خشوع کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ کہا: یہ نماز کے فرائض سے ہے یا اس کے فضائل اور مکملات سے ہے۔ صحیح پہلا قول ہے اور خشوع کا محل دل ہے یہ پہلا عمل ہے جو لوگوں سے اٹھایا جائے گا یہ حضرت عبادہ بن صامت کا قول ہے۔ اس کو امام ترمذی نے جبیر بن نفیر کے حوالہ سے حضرت ابودرداء سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے(4)۔ نسائی نے جبیر بن حدیث سے، عوف بن مالک اشجعی سے طرق صحیحہ کے ذریعے روایت کیا ہے۔ ابوعیسیٰ نے کہا: معاویہ بن صالح اہل حدیث کے نزدیک ثقہ ہے۔ ہم کوئی ایسا محدث نہیں جانتے جس نے اس پر کلام کی ہو سوائے یحییٰ بن سعید قطان کے۔

میں کہتا ہوں: معاویہ بن صالح ابوعمرو اور ابوعمر حضرمی حمصی قاضی اندلس بھی کہا جاتا ہے، ابوحاتم رازی سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: صالح الحدیث ہے اس کی حدیث لکھی جاتی ہے اور اس سے حجت پکڑی جاتی ہے۔ اس میں یحییٰ بن معین کا قول مختلف ہے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی، امام احمد بن حنبل اور ابوزرعہ رازی نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس سے حجت پکڑی ہے۔ سورۂ بقرہ میں اللَّغْوِ اور لِلزَّكٰوةِ کا معنی گزر چکا ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ضحاک نے کہا: یہاں اللَّغْوِ سے مراد شرک ہے۔ حسن نے کہا: تمام گناہ ہیں۔ یہ جامع قول ہے اس میں اس کا قول بھی داخل ہے جس نے کہا:

1۔ جامع ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، ما جاء فی کراہیۃ مسح الحصیٰ فی الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 50

2۔ المستدرک للحاکم، کتاب التفسیر، سورۂ مومنون، جلد 2، صفحہ 392

3۔ سنن نسائی، کتاب السہو، الرخصۃ فی الالتفات، جلد 1، صفحہ 178۔ جامع ترمذی، باب ما ذکر فی التفات الصلاۃ، حدیث 536

4۔ ترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی ذہاب العلم، حدیث 2577

اللَّغْوِ سے مراد شرک ہے اور اس کا قول بھی داخل ہے جنہوں نے کہا: اس سے مراد غنا ہے جیسا کہ امام مالک بن انس نے حضرت محمد بن منکدر سے روایت کیا ہے جس کا بیان سورۂ لقمان میں آئے گا۔ فٰعِلُوْنَ۝ کا معنی ہے ادا کرنے والے۔ یہ فصیح ہے۔ کلام عرب میں اس معنی میں آیا ہے۔ امیہ بن الصلت نے کہا:

المطعمون الطعام فی السنة الأزْ مة و الفاعلون للزّکواتِ

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۝ ابن عربی نے کہا: قرآن کے غرائب میں سے ہے کہ یہ دس آیات مردوں اور عورتوں میں عام ہیں جیسے باقی قرآن کے الفاظ ہیں جو احتمال رکھتے ہیں کہ وہ مردوں اور عورتوں میں عام ہیں لیکن وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۝ کا قول اس کے مخاطب صرف مرد ہیں عورتوں کو اس میں خطاب نہیں کیونکہ آگے اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ کا قول آیا ہے اور عورتوں کا اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم دوسرے دلائل سے ثابت ہے جیسے عموماً اور خصوصاً آیات احصان اور اس کے علاوہ جو دلائل موجود ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس تاویل پر آیت میں یہ ہے کہ عورت کے لیے حلال نہیں کہ اس سے وہ شخص وطی کرے جس کی وہ مالک ہے اسی پر علماء کا اجماع ہے کیونکہ وہ اس آیت میں داخل نہیں لیکن اگر وہ عورت غلام کو آزاد کر دے تو اس غلام کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے جس طرح دوسروں کے لیے جائز ہے؛ یہ جمہور کے نزدیک ہے۔ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، شعبی اور نخعی سے مروی ہے کہ اگر وہ اپنے غلام کو آزاد کر دے جب وہ اس کی مالک ہو تو وہ اپنے نکاح پر باقی رہیں گے۔ ابو عمر نے کہا: فقہاء الامصار میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک اس کے مالک ہونے سے ان کے درمیان نکاح باطل ہو جائے گا اور یہ طلاق نہیں ہے؛ یہ نکاح کا فسخ ہے اگر مالک ہونے کے بعد اسے آزاد کر دے تو رجوع نہیں ہو سکتا مگر حدیث نکاح کے ساتھ اگرچہ وہ عدت میں ہی ہو۔

مسئلہ نمبر 5۔ محمد بن عبد الحکم نے کہا میں نے حرملہ بن عبد العزیز کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے امام مالک سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو استمناء کرتا ہے۔ تو انہوں نے جواباً یہ آیت پڑھی: وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۝ ...... الْعٰدُوْنَ۝ عرب آلہ تناسل کو عمیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ شاعر نے کہتا ہے:

إذا حَلَلْتَ بوادٍ لا أنیس به فاجلد عُمَیرۃ لا داءٌ ولا حَرَجُ

اہل عراق اس کو الاستمناء کہتے ہیں یہ منی سے باب استفعال ہے۔ امام احمد بن حنبل اپنے تقویٰ و ورع کے باوجود اس کو جائز قرار دیتے ہیں ان کی حجت یہ ہے کہ یہ بدن سے فضلہ کا اخراج ہے اور حاجت کے وقت یہ جائز ہے اور اس کی اصل پچھنے لگوانا اور خون نکلوانا ہے۔ اکثر علماء اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ بعض علماء نے کہا: یہ اپنے ساتھ برائی کرنا ہے یہ وہ معصیت ہے جس کو شیطان نے ایجاد کیا ہے اور لوگوں میں اس کو پھیلا دیا حتی کہ اس پر بات ہونے لگی کاش! یہ نہ کی جاتی اگر اس کے جواز پر دلیل بھی ہوتی تو ایک صاحب مروت اس کی خست کی وجہ سے اس سے اعراض کرتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ استمناء، لونڈی سے نکاح کرنے سے بہتر ہے۔ ہم کہیں گے: لونڈی سے نکاح کرنا بہتر ہے خواہ کافرہ بھی ہو۔ یہ بعض علماء کے مذہب پر ہے۔

اگر کوئی یہ کہے: تو بھی استمناء کی دلیل ضعیف ہے اور خسیس آدمی کے لیے بھی عار اور شرم کا باعث ہے پھر ایک عظیم آدمی کے لیے کیسے درست ہوگا؟

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ ، فراء نے کہا: یعنی وہ عورتیں جو اللہ نے ان کے لیے حلال کی ہیں ان سے تجاوز نہیں کرتے۔ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ یہ محل جر میں ہے اور اَزْوَاجِهِمْ پر معطوف ہے اور ما مصدریہ ہے یہ زنا استمناء اور نکاح متعہ کی تحریم کا تقاضا کرتی ہے؛ کیونکہ جس عورت سے متعہ کیا گیا ہے وہ زوجات کے قائم مقام نہیں ہے وہ نہ وارث ہوتی ہے نہ اس کی میراث لی جاتی ہے۔ اور اس کا بچہ اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جاتا اور نکاح متعہ سے عورت کو طلاق دینے کے ساتھ نکاح سے خارج نہیں کرتا بلکہ اسی مدت کے گزرنے کے ساتھ اسے خارج کرتا ہے جو مدت انہوں نے متعین کی تھی وہ مستاجرہ کی طرح ہوتی ہے۔ ابن عربی نے کہا: اگر ہم کہیں کہ متعہ جائز ہے اور یہ ایک مدت تک زوجہ ہے تو اس پر زوجیت کے اسم کا اطلاق ہوگا اور اگر ہم وہ حق بات کہیں جس پر اجماع امت ہے کہ نکاح متعہ حرام ہے تو وہ اس کی زوجہ نہیں ہے اور وہ اس آیت کے تحت داخل نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس اختلاف کا فائدہ یہ ہے کہ کیا حد واجب ہوگی اور صریح زنا کی طرح بچہ لاحق نہیں کیا جائے گا یا شبہ کی وجہ سے حد نہیں لگائی جائے گی اور بچہ لاحق کیا جائے گا؟ ہمارے اصحاب کے دو قول ہیں۔ (۱) متعہ کی تحلیل وتحریم کے احوال تھے۔ اسی وجہ سے پہلے مباح تھا پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے زمانہ میں اس کو حرام کیا تھا پھر اسے فتح مکہ کے موقع پر حلال کیا تھا پھر اس کے بعد اس کو حرام کیا تھا۔ یہ ہمارے اصحاب میں سے ابن خویز منداد وغیرہ کا قول ہے۔ ابن عربی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سورۃ النساء میں متعہ پر گفتگو گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ جو ایسی عورت سے نکاح کرے جو حلال نہ ہو اسے عادی کہا گیا ہے اور اس کے حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے اس پر حد واجب کی ہے اور لواطت کرنے والا قرآن اور لغت کے اعتبار سے حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝۱۶۶ (الشعراء) جیسا کہ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے پس ایسے لوگوں پر حد کا قائم کرنا واجب ہے یہ ظاہر ہے اس پر کوئی غبار نہیں۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے جبتک وہ جاہل نہ ہو یا تاویل کرنے والا نہ ہو اگرچہ اجماع منعقد ہے کہ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ ...... الخ سے مراد صرف مرد ہیں عورتیں اس میں شامل نہیں۔ معتمر نے قتادہ سے روایت کیا ہے فرمایا: ایک عورت نے اپنے غلام سے ہم بستری کی اس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا گیا تو آپ نے اس عورت سے پوچھا کہ اس عمل پر تجھے کس بات نے ابھارا؟ اس عورت نے کہا: میں خیال کرتی تھی کہ وہ میرا غلام ہے جس طرح مرد کے لیے لونڈی حلال ہوتی ہے یہ میرے لیے حلال ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے اس عورت کو رجم کرنے کا فیصلہ کیا تو صحابہ کرام نے کہا: اس نے کتاب اللہ کی غلط تاویل کی ہے اس پر رجم نہیں ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کبھی تجھے کسی آزاد کے لیے حلال نہیں کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے یہ سزا دی اور حد دور کر دی اور غلام کو آپ نے اس کے

قریب نہ جانے کا حکم دیا۔

ابوبکر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تھا ایک عورت اپنے خوبصورت غلام کے ساتھ آئی اور کہنے لگی: میں اس کے ساتھ ہم بستر ہوتی ہوں اور میرے چچا کے بیٹے مجھے اس سے منع کرتے ہیں میں بھی تو اس مرد کی طرح ہوں جس کے لیے لونڈی ہوتی ہے تو وہ اس کے ساتھ وطی کرتا ہے۔ پس آپ میرے چچا کے بیٹوں کو مجھ سے باز رکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تو نے اس سے پہلے نکاح کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر تیری جہالت نہ ہوتی تو میں تجھے پتھروں کے ساتھ رجم کرتا لیکن تم اسے لے جاؤ اور اس کو فروخت کر دو کسی ایسے شخص سے جو اس غلام کو شہر سے باہر لے جائے۔ وراء بمعنی سویٰ ہے یہ ابْتَغٰى کا مفعول ہے یعنی جس نے بیویوں اور مملوکہ لونڈیوں کے علاوہ کو طلب کیا۔ زجاج نے کہا: اس کے بعد جس نے طلب کیا۔ پس ابْتَغٰى کا مفعول محذوف ہے اور وراء ظرف ہے۔ اور ذالک اس کے ساتھ ہر مذکور، مذکر اور مؤنث کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۝ حد سے تجاوز کرنے والے یہ عدا سے مشتق ہے یعنی حد سے تجاوز کیا۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۝ جمہور نے لامانٰتھم پڑھا ہے جمع کے ساتھ۔ ابن کثیر نے مفرد پڑھا ہے۔ امانت اور عہد دین کے ہر قول اور عمل کو جامع ہے جس کو انسان اٹھاتا ہے۔ یہ لوگوں کی معاشرت، وعدہ وغیرہ کو عام ہے۔ اس کی انتہاء یہ ہے کہ عہد و پیان کی پاسداری اور حفاظت کی جائے۔ امانت عہد سے اعم ہے۔ ہر عہد امانت ہوتا ہے اس میں قول، فعل اور عقیدہ سب شامل ہیں۔

مسئلہ نمبر 9۔ جمہور نے صلوٰتھم پڑھا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے صلاتھم پڑھا ہے یہ افراد اسم جنس ہے جو جمع کے معنی میں ہے۔ نماز کی محافظت سے مراد نماز کا قائم کرنا ہے اور اول وقت میں ادائیگی کی کوشش کرنا ہے، اس کے رکوع و سجود کو مکمل کرنا ہے۔ سورۂ بقرہ میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ پھر فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ان آیات میں جو ذکر کیا گیا ہے اس پر جس نے عمل کیا وہ وارث ہیں یعنی جنت میں دوزخیوں کی منازل کے یہ وارث ہیں۔ حدیث میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم سے مروی ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے جنت میں ایک مسکن بنایا ہے اور ایک مسکن دوزخ میں ہے مومنین اپنی منازل کو لے لیں گے اور کفار کی منازل کے وارث ہوں گے اور کفار اپنی دوزخ کی منازل میں ہوں گے“ (1)۔ اس حدیث کا مفہوم ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں ہر ایک کی دو منزلیں ہیں ایک منزل جنت میں اور ایک منزل آگ میں جب کوئی شخص مرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہوتا ہے تو اہل جنت اس کی منزل کے وارث ہوتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ۝“ (2) اس کی سند صحیح ہے یہ بھی احتمال ہے کہ جنت کے حصول کو وراثۃ کہا ہو اس کے حصول کی حیثیت سے جبکہ دوسروں کو وہ نہیں ملی۔ یہ دو وجوہ پر اسم مستعار ہے۔ فردوس جنت کی بلند، اوسط اور افضل جگہ کا نام ہے۔ اس حدیث کو ربیع بنت نضر ام حارثہ سے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 137

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، صفۃ الجنۃ، صفحہ 332

روایت کیا ہے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور صحیح مسلم میں ہے ”جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو وہ جنت وسط اور جنت کا اعلیٰ درجہ ہے اس سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں“ (1)۔ ابو حاتم محمد بن حیان نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فإنه أوسط الجنة، یعنی وہ عرض کے اعتبار سے جنت کے وسط میں ہے اور وہ جنت کا اعلیٰ ہے یعنی بلند ترین جگہ ہے۔ یہ تمام حضرات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کی تصحیح کرتے ہیں۔ فردوس جنت کا پہاڑ ہے جس سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔ مجاہد کے قول میں یہ رومی لفظ ہے عربی میں استعمال کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا: یہ فارسی لفظ ہے عربی بنالیا گیا ہے۔ بعض نے کہا: حبشہ کی زبان کا لفظ ہے۔ اگر یہ ثابت ہو تو یہ تمام زبانوں کا لفظ ہوگا۔ ضحاک نے کہا: یہ عربی لفظ ہے اس کا مطلب الکرم ہے۔ عرب کروم (انگور کی بیلیں) کو فرادیس کہتے ہیں۔ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ۝ ، جنت کے معنی پر مونث استعمال ہوا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝

”اور بیشک ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے جوہر سے۔ پھر ہم نے رکھا اسے پانی کی بوند بنا کر ایک محفوظ مقام پر۔ پھر ہم نے بنا دیا نطفہ کو خون کا لوتھڑا پھر ہم نے بنا دیا اس لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی پھر ہم نے پیدا کر دیں اس بوٹی سے ہڈیاں پھر ہم نے پہنا دیا ان ہڈیوں کو گوشت پھر (روح پھونک کر) ہم نے اسے دوسری مخلوق بنا دیا، پس بڑا بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے“۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ یہاں انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں؛ یہ قتادہ وغیرہ کا قول ہے کیونکہ وہ مٹی سے بنائے گئے تھے پھر ثُمَّ جَعَلْنٰهُ کی ضمیر کا مرجع ابن آدم ہے اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں لیکن شہرت امر کی وجہ سے یہ صحیح ہے کیونکہ معنی صرف اسی صورت میں صحیح ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ (ص)

بعض علماء نے فرمایا: سُلٰلَةٍ سے مراد ابن آدم ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے اس بناء پر السلالة سے مراد صاف پانی یعنی منی ہوگی۔ السلالة، السل سے فُعالة کا وزن ہے۔ اس کا مطلب کسی چیز کو دوسری چیز سے نکالنا۔ کہا جاتا ہے: سَلَلتُ الشعرَ مِنَ العجين میں نے آٹے سے بال نکالا اور نیام سے میں نے تلوار نکالی۔ السيف من الغمد اسی سے شاعر کا قول ہے:

فَسُلّي ثيابي من ثيابك تَنسُل

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ مومنون، جلد 2، صفحہ 147

النطفہ کو سلالۃ بچے کو سلیل و سُلالۃ کہتے ہیں اس سے مراد وہ پانی لیا جاتا ہے جو پیٹھ سے نکالا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

فجاءت به عضب الاديم غضنفرا　　سلاله فرج كان غير حصين

اور ایک شاعر نے کہا:

وما هندٌ الا مهرة عربية　　سليلة افراس تجللها بغل

اور مِّنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾ حضرت آدم علیہ السلام کی اصل مٹی سے ہے۔

میں کہتا ہوں: یعنی خالص مٹی سے ہے جیسا کہ ہم نے سورۃ انعام کے آغاز میں بیان کیا ہے۔

کلبی نے کہا: السلالہ اس مٹی کو کہتے ہیں جب تو اسے نچوڑے تو وہ تیری انگلیوں کے درمیان سے نکلے اور جو نکلتی ہے اسے السلالہ کہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نُطْفَةً نطفہ، علقہ، مضغہ اور ان کے متعلق احکام سورۃ حج کے آغاز میں گزر چکے ہیں۔ الحمد للہ علی ذالک۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ خلق آخر کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، شعبی، ابو العالیہ، ضحاک اور ابن زید نے کہا: اس کے جماد ہونے کے بعد اس میں روح پھونکنا ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس کا دنیا کی طرف نکلنا ہے۔ قتادہ نے ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ بالوں کا اگنا ہے۔ ضحاک نے کہا: دانتوں کا نکلنا اور بالوں کا نکلنا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کے شباب کا کمال ہے؛ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس میں اور دوسری چیزیں نطق، ادراک، حسن گفتگو اور تحصیل المعقولات یعنی مرنے تک جو مراحل آتے ہیں سب کو شامل ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ روایت کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ آیت آغاز سے خَلْقًا اٰخَرَ تک سنی تو کہا: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسی طرح اتاری گئی ہے(2)۔ مسند طیالسی میں ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ نازل ہوئی جب یہ نازل ہوئی تو میں نے کہا: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾، تو فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ کے الفاظ نازل ہو گئے۔ روایت کیا جاتا ہے کہ اس کے قائل معاذ بن جبل تھے۔ روایت ہے کہ اس کے قائل عبداللہ بن ابی سرح تھے۔ اسی سبب سے وہ مرتد ہوا تھا اس نے کہا جیسا کلام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لاتا ہے اس کی مثل میں بھی لاتا ہوں۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ (الانعام: 93) اس کا بیان سورۃ انعام میں گزر چکا ہے۔ تبارک برکت سے باب تفاعل ہے۔ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ سب بنانے والوں سے پختہ بنانے والا ہے۔ جو کوئی چیز بناتا ہے اس سے یہ خلقہ بولا جاتا ہے؛ اسی سے شاعر کا قول ہے:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 138　　2۔ ایضاً

ولانت تفری ماخلقت وبعض من القوم یخلق ثم لایفری

بعض لوگوں نے اس لفظ کی لوگوں سے نفی کی ہے۔ خلق کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ابن جریج نے کہا: فرمایا اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ کیونکہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تخلیق کرنے کی اجازت دی تھی۔ بعض اس میں مضطرب ہیں۔ الصنع کے معنی میں اس لفظ کی بشر سے نفی نہیں کی جاتی۔ عدم سے ایجاد و اختراع کے معنی کے اعتبار سے نفی کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اس آیت کی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا جب انہوں نے بزرگ صحابہ سے لیلۃ القدر کے بارے پوچھا تھا تو انہوں نے کہا تھا: اللہ بہتر جانتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے حضرت ابن عباس! رضی اللہ عنہما تم کیا جانتے ہو؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا کیے اور سات زمینیں پیدا کیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو سات ادوار سے پیدا کیا اور اس کا رزق سات چیزوں سے بنایا۔ میرا خیال ہے یہ ستائیسویں کی رات میں ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم اس جیسا کلام لانے سے عاجز تھے جو یہ نوجوان لایا ہے جس نے ابھی اپنے سر کی مکمل صلاحیتیں بھی جمع نہیں کیں۔ یہ طویل حدیث مسند ابی شیبہ میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خلق ابن آدم من سبع سے مراد یہ آیت لی ہے اور جعل رزقہ من سبع سے مراد یہ آیت لی ہے۔ فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّا ۙ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا ۙ وَّ زَیْتُوْنًا وَّ نَخْلًا ۙ وَّ حَدَآىِٕقَ غُلْبًا ۙ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ۙ (عبس) ان میں سے سات چیزیں ابن آدم کے لیے ہیں۔ اور الاب جانوروں کے لیے ہے۔ القضب اس کو ابن آدم کھاتا ہے۔ اور اس سے عورتیں موٹی ہوتی ہیں یہ ایک قول ہے۔ اور بعض علماء نے کہا: القضب سے مراد سبزیاں ہیں کیونکہ وہ کاٹی جاتی ہیں۔ یہ ابن آدم کا رزق ہیں۔ بعض نے کہا: القضب اور الاب جانوروں کے لیے ہیں۔ باقی چھ ابن آدم کے لیے ہیں اور ساتویں چیز جانور ہیں۔ یہ بھی ابن آدم کا رزق ہیں۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَیِّتُوْنَ ۙ ثُمَّ اِنَّكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝

''پھر یقیناً تم ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد مرنے والے ہو پھر بلاشبہ تمہیں روز قیامت (قبروں سے) اٹھایا جائے گا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَیِّتُوْنَ ۝ یعنی خلق اور حیات کے بعد تم مرنے والے ہو۔ نحاس نے کہا: اس معنی میں المائتون کہا جاتا ہے۔ پھر مرنے کے بعد اٹھنے کی خبر دی فرمایا: ثُمَّ اِنَّكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ پھر تم قیامت کے روز اٹھائے جاؤ گے۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآىِٕقَ ۖۗ وَ مَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِیْنَ ۝

''اور بیشک ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنا دیئے اور ہم اپنی مخلوق (کی مصلحتوں) سے بے خبر نہ تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآىِٕقَ ابوعبیدہ نے کہا: سَبْعَ طَرَآىِٕقَ سے مراد سات آسمان ہیں اس سے حکایت کیا گیا ہے کہ کہا جاتا ہے: طارقت الشئی کسی چیز کو دوسری چیز کے اوپر رکھنا۔ بعض نے کہا: آسمانوں کے لیے راستے ہیں کیونکہ وہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ عرب ہر وہ چیز جو کسی چیز کے اوپر ہو اسے طریقہ کہتے ہیں۔ بعض نے کہا: وہ

ملائکہ کے راستے ہیں۔ وَ مَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ۝ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے آسمان کی تخلیق سے غافل نہیں۔ اکثر مفسرین نے کہا: تمام مخلوق سے بےخبر نہیں کہ آسمان ان پر گر پڑیں اور انہیں ہلاک کر دیں۔

میں کہتا ہوں: اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ مخلوق کی مصلحتوں اور حفاظت سے ہم غافل نہیں، یہی الحی القیوم کا معنی ہے۔ جو پہلے گزر چکا ہے۔

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖۗ وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ۝

”اور ہم نے اُتارا آسمان سے پانی اندازہ کے مطابق پھر ہم نے ٹھہرا لیا اسے زمین میں اور یقیناً ہم اسے بالکل ناپید کرنے پر پوری طرح قادر ہیں“۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر جو نعمتیں فرمائیں اور جو ان پر احسانات فرمائے ان میں سے ایک یہ آیت بھی ہے اس کے احسانات میں سے بڑا احسان پانی ہے جو انسانی بدن کی زندگی اور حیوان کی نمو کا باعث ہے۔ آسمان سے نازل ہونے والے پانی کی دو قسمیں ہیں۔ یہ جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا اور جس کے بارے خبر دی کہ اسے اس نے زمین کے اندر رکھا ہے اور اسے انسانوں کے پینے کے لیے خزانہ کیا ہے جس کو لوگ ضرورت کے وقت حاصل کرتے ہیں اور وہ نہروں، چشموں اور کنوؤں کا پانی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے کہ یہاں چار پانیوں کا ارادہ فرمایا ہے۔ سیحان، جیحان نیل اور فرات۔ مجاہد نے کہا: زمین میں کوئی پانی نہیں ہے مگر وہ آسمان سے آیا ہے۔ یہ مطلق نہیں ہے ورنہ کھاری پانی زمین میں ثابت ہے۔ ممکن ہے یہ مجاہد کا قول میٹھے پانی سے مقید ہو۔ لامحالہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں پانی رکھا ہے اور آسمان سے بھی پانی اتارا ہے۔ بعض نے کہا: وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً میٹھے پانی کی طرف اشارہ ہے اور اس کی اصل سمندر سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے لطف اور حسن تقدیر سے سمندر سے آسمان کی طرف اُٹھاتا ہے حتی کہ وہ اس اٹھائے جانے کے ساتھ میٹھا ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے زمین کی طرف اتارتا ہے تاکہ اس سے نفع حاصل کیا جائے اگر معاملہ سمندر کے پانی تک ہوتا تو اس کی ملاحت کی وجہ سے اس سے نفع حاصل نہ کیا جاتا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِقَدَرٍ، اس مقدار پر جو اصلاح کرنے والی ہے کیونکہ اگر بارش زیادہ ہوتی تو نقصان کرتی اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ ۫ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۝ (الحجر) اور ارشاد ہے: وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ۝ یعنی اس خزانہ شدہ پانی کو لے جانے پر بھی قادر ہیں۔ یہ تہدید اور وعید ہے یعنی اس کا نیچے لے جانا ہماری قدرت میں ہے اور لوگ پیاس کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں گے اور مویشی مر جائیں گے یہ اس قول کی طرح ہے: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ۝ (الملک)

مسئلہ نمبر 3۔ نحاس نے ذکر کیا ہے کہ ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن یونس پر پڑھا گیا انہوں نے جامع بن سوارہ

سے روایت کیا ہے فرمایا ہمیں سعید بن سابق نے بتایا فرمایا ہمیں مسلمہ بن علی نے بتایا انہوں نے مقاتل بن حیان سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جنت سے زمین کی طرف پانچ نہریں اُتاریں (1)۔ سیحون، یہ ہند کی نہر ہے۔ جیحون، یہ بلخ کی نہر ہے۔ دجلہ اور فرات، یہ عراق کے دریا ہیں۔ نیل مصر کی نہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کے چشموں میں سے ایک چشمہ سے انہیں اتارا ہے۔ جنت کے درجات میں سے نچلے درجہ سے جبریل کے دونوں پروں پر نکالیں پھر انہیں پہاڑوں میں ودیعت کیا اور زمین میں انکا اجرا فرمایا اور ذرائع معاش میں لوگوں کے لیے ان میں منافع رکھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ جب یاجوج و ماجوج کا خروج ہوگا تو اللہ تعالیٰ جبریل کو بھیجے گا اور زمین سے قرآن، علم اور پانچوں نہریں وہ اٹھالے گا پھر وہ انہیں آسمان کی طرف لے جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝ سے یہی مراد ہے۔ جب یہ تمام اشیاء زمین سے اٹھالی جائیں گی تو زمین میں بسنے والے دین و دنیا کی خیر کو مفقود پائیں گے''۔

مسئلہ نمبر 4۔ ہر پانی جو آسمان سے نازل ہوا خواہ وہ خزانہ شدہ ہے یا خزانہ شدہ نہیں ہے وہ پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے۔ اس سے غسل اور وضو کیا جائے گا جیسا کہ سورۃ الفرقان میں اس کا بیان ہوگا۔

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝

''پھر ہم نے اُگائے تمہارے لیے اس پانی سے باغات کھجوروں اور انگوروں کے تمہارے لیے ان میں بہت سے پھل ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَنْشَاْنَا یعنی اس پانی کو ہم نے نباتات کا سبب بنایا اور ہم نے اس کے ذریعے باغات کو وجود بخشا اور ہم نے انہیں پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے النخیل (کھجور) والاعناب (انگور) کا ذکر کیا کیونکہ یہ طائف، مدینہ وغیرہما شہروں کے پھل ہیں؛ یہ طبری کا قول ہے۔ نیز تمام پھلوں سے یہ افضل ہیں تشریف و تنبیہ کے لیے ان کا خصوصی ذکر فرمایا۔ لَكُمْ فِیْهَا تمہارے لیے جنت میں۔ فَوَاكِهُ کھجور اور انگور کے علاوہ۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نخیل اور اعناب کی طرف راجع ہو کیونکہ ان کی بہت سی اقسام ہوتی ہیں۔ پہلا قول تمام پھلوں کو شامل ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جس نے قسم اٹھائی کہ وہ پھل فَوَاكِهُ نہیں کھائے گا۔ ایک روایت میں ہے ہمارے نزدیک، سبز لوبیا اور اس کے مشابہ چیزیں کھانے سے حانث ہو جائے گا۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: ککڑی، کھیرا اور تر کھانے سے حانث نہیں ہوگا کیونکہ یہ سبزیوں سے ہیں پھلوں سے نہیں ہیں، اسی طرح اخروٹ، بادام اور پستہ کا حکم ہے کیونکہ یہ چیزیں پھلوں سے شمار نہیں ہوتی ہیں۔ اگر سیب، آڑو، کشمش یا امرود کھایا تو حانث ہو جائے گا اسی طرح تربوز کھانے سے حانث ہو جائے گا کیونکہ یہ تمام اشیاء کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد بطور پھل کھائی جاتی ہیں۔ پس یہ پھل ہیں۔ اسی طرح یہ اشیاء خشک ہوں تو بھی ان کا

1۔ تاریخ بغداد، جلد 1، صفحہ 57

پھل کا حکم ہے مگر خشک تربوز اس حکم میں نہیں کیونکہ وہ پھلوں میں شمار نہیں کیا جاتا ہے۔ اگر انگور یا انار یا کھجور کھائی تو بھی حانث نہ ہوگا۔ صاحبین نے امام صاحب کی اس مسئلہ میں مخالفت کی ہے وہ فرماتے ہیں: حانث ہو جائے گا کیونکہ یہ اشیاء تو عمدہ پھلوں سے ہیں۔ اور تنعم کے طور پر کھائی جاتی ہیں اور ان کا علیحدہ ذکر ان کے معانی کے کمال کی وجہ سے ہے جیسے ملائکہ سے جبریل ومیکائل کی تخصیص کی جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہ نے یہ حجت پکڑی ہے کہ ان اشیاء کا عطف پھلوں پر کیا گیا ہے۔ فرمایا: وَّفَاكِهَةً وَّ اَبًّا ۝ (عبس) معطوف، معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ احسان کے مقام پر ایک چیز کو دو نام دینے کا حکمت تقاضا نہیں کرتی۔ انگور اور انار بعض شہروں میں کفایت کرتے ہیں وہاں یہ پھل نہیں ہوں گے کیونکہ جو پھل ہوتا ہے وہ خشک اور تر میں علیحدہ علیحدہ حکم نہیں رکھتا ہے۔ ان اشیاء کا خشک فاکھہ شمار نہیں ہوتا اسی طرح ان کا تر بھی فاکھہ (پھل) شمار نہیں ہوتا۔

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝

''نیز پیدا کیا ایک درخت جو اُگتا ہے طور سیناء میں وہ اُگتا ہے تیل لیے ہوئے اور سالن لیے ہوئے کھانیوالوں کے لیے''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَشَجَرَةً اس کا عطف جنات پر ہے۔ فراء نے اس پر رفع بھی جائز قرار دیا کیونکہ فعل ظاہر نہیں اس کا معنی ہوگا وثم شجرۃ اس سے مراد زیتون کا درخت ہے۔ اس کو علیحدہ ذکر فرمایا کیونکہ اس کے منافع شام، حجاز اور دوسرے شہروں میں بہت زیادہ ہیں۔ اور اس کو پانی بھی زیادہ نہیں دینا پڑتا اور اس کی گوڈی وغیرہ بھی کم ہوتی ہے جبکہ دوسرے درختوں کی دیکھ بھال زیادہ ہوتی ہے۔ تَخْرُجُ یہ صفت ہے۔ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ اللہ تعالیٰ نے زیتون کے درخت کو طور سیناء پہاڑ سے نکالا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے۔ طور سیناء شام کی زمین سے ہے۔ یہ وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی تھی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ طور کلام عرب میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا: یہ عجمی زبان کا لفظ ہے۔ عربی بنایا گیا ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ بیت المقدس کا پہاڑ ہے یہ مصر سے ایلۃ تک پھیلا ہوا ہے۔ سیناء کے بارے میں اختلاف ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے خوبصورت۔ اس تاویل پر طور کی نعت کی حیثیت سے منون ہوگا۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے مبارک (1)۔ معمر نے ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی ہے شَجَرَةً (درخت)۔ ان کو طور کو تنوین دینا لازم آتا ہے۔ جمہور نے کہا: یہ پہاڑ کا نام ہے جیسے تو کہتا ہے: جبل احد۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: سیناء ایک پتھر ہے پہاڑ کو اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ وہ اس کے پاس موجود ہے۔ مقاتل نے کہا: ہر پہاڑ جو پھلوں کو اٹھاتا ہے وہ سیناء یعنی خوبصورت ہے۔ کوفیوں نے فعلاء کے وزن پر سین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور فعلاء کلام عرب میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ معرفہ اور نکرہ دونوں صورتوں میں غیر منصرف ہوتا ہے کیونکہ اس کے آخر میں الف تانیث ہے اور الف تانیث جس میں ہوتی ہے اسکو لازم ہوتی ہے۔ عرب کلام

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 139

میں فِعلاء نہیں ہے۔ لیکن جنہوں نے سیناء سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے اس کا وزن فعلاً بنایا ہے۔ اس میں ہمزہ، حرباء کے ہمزہ کی طرح ہے۔ اس آیت میں غیر منصرف نہیں کیونکہ یہ بقعہ کا اسم ہے۔ اخفش کا خیال ہے کہ یہ عجمی اسم ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ تَنۢبُتُ بِالدُّهْنِ جمہور نے تنبت تاء کے فتحہ اور باء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے وہ اُگتا ہے اور اس کے ساتھ تیل ہوتا ہے جیسے تو کہتا ہے: خرج زیدٌ بسلاحہ (1)۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے تاء کے ضمہ اور باء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس قرأت پر تقدیر میں اختلاف ہے۔ ابوعلی فارسی نے کہا اس کی تقدیر یہ ہے: تنبت حباھا ومعہ الدھن پس مفعول محذوف ہے۔ بعض نے کہا: باء زائدہ ہے جیسے: وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ:195) یہ ابوعبیدہ کا مذہب ہے۔ شاعر نے کہا:

نضرب بالسیف ونرجو بالفرج

ایک اور شاعر نے کہا:

هن الحرائر لاَرَبَّاتُ أَخْمِرَةٍ سود المحاجر لایقرأن بالسُّوَرِ

اسی طرح ابوعلی نے کہا ہے پہلے گزر چکا ہے۔ بعض نے کہا: نبت اور انبت ہم معنی ہیں پس معنی اسی طرح ہوگا جو جمہور کی قرأت میں گزرا ہے؛ یہی فراء اور ابو اسحاق کا مذہب ہے، اسی سے زہیر کا قول ہے۔

حتی إذا أنبت البقل

اصمعی، انبت کا انکار کرتا ہے۔ اور زہیر کے اس قصیدہ پر تہمت لگاتا ہے جس میں ہے:

رأیتُ ذوی الحاجاتِ حَوْلَ بیوتهم قَطِینًا بها حتی إذا أنبت البقل

یعنی نبت زہری، حسن اور اعرج نے تنبت بالدھن تاء کے رفع اور باء کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن جنی اور زجاج نے کہا: یہ باء حال کی ہے یعنی تنبت ومعہا دھنہا اور حضرت ابن مسعود کی قرأت میں تخرج بالدھن (2) یہ باء حال کے لیے ہے۔ ابن دستویہ نے کہا: الدھن سے مراد نرم پانی ہے۔ تنبت، الانبات سے ہے۔ زر بن حبیش نے تنبت تاء کے ضمہ اور باء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ الدھن باء کے حذف اور اس کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ سلیمان بن عبدالملک اور اشہب نے بالدھان پڑھا ہے۔ آیت سے مراد زیتون کی نعمت کو انسان پر شمار کرنا ہے۔ یہ ان نعمتوں کے ارکان سے ہے۔ جن سے استغنا نہیں۔ زیتون کے معنی میں سارے زیتون کے درخت ہیں۔ مختلف علاقوں کے اعتبار سے مختلف اقسام پر جو ہوتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ۝ یہ جمہور کی قرأت ہے۔ ایک جماعت نے اصباغ جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ عامر بن عبد قیس نے ومتاعاً پڑھا ہے۔ اور اس سے مراد زیت ہے جس کے ساتھ کھانا بنایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: صِبغ وصِباغ جیسے دِبغ ودِباغ، لِبس ولِباس ہر سالن جس کے ساتھ کھانا کھایا جاتا ہے وہ صبغ ہے۔ ہروی وغیرہ نے اس کو حکایت کیا ہے۔ الصبغ کا اصل معنی وہ چیز ہے جس کے ساتھ کپڑے کو رنگا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ سالن کو تشبیہ دی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 140 2۔ ایضاً

گئی ہے کیونکہ روٹی سالن کے ساتھ رنگی جاتی ہے جب روٹی کو سالن میں ڈبویا جاتا ہے۔ مقاتل نے کہا: الادم سے مراد الزیتون اور الدھن سے مراد تیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس درخت میں سالن اور تیل پیدا فرمایا ہے۔ اس بنا پر الصبغ سے مراد زیتون ہوگا۔

مسئلہ نمبر 4۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ تمام مائعات جن کے ساتھ کھانا کھایا جاتا ہے جیسے زیتون کا تیل، گھی، شہد اور شیرہ، سرکہ وغیرہ جو بھی شوربے والی چیزیں ہوتی ہیں وہ سالن ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نص قائم فرمائی ہے(1)۔ نعم الادام الخل، بہترین سالن سرکہ ہے۔ اس کو نو صحابہ نے روایت کیا ہے۔ سات مرد اور دو عورتیں ہیں۔ صحیح میں جنہوں نے اس کو روایت کیا ہے وہ یہ ہیں۔ حضرت جابر، حضرت عائشہ، حضرت خارجہ، حضرت عمر، ان کا بیٹا حضرت عبیداللہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابوہریرہ، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت انس اور حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہم۔

مسئلہ نمبر 5۔ اس میں اختلاف ہے جو چیزیں جامد ہوتی ہیں مثلاً گوشت، کھجور اور زیتون وغیرہ۔ جمہور علماء کہتے ہیں: یہ سب سالن ہیں پس جس نے قسم اٹھائی کہ وہ سالن نہیں کھائے گا پھر اس نے گوشت یا پنیر کھایا تو وہ حانث ہو جائے گا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: وہ حانث نہیں ہوگا۔ صاحبین نے اس مسئلہ میں امام صاحب کی مخالفت کی ہے۔ امام ابو یوسف سے امام ابوحنیفہ کے قول کی مثل بھی مروی ہے۔ اور البقل (سبزیاں) تمام کے نزدیک سالن نہیں ہے۔ امام شافعی سے کھجور کے متعلق دو قول مروی ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ یہ سالن نہیں کیونکہ ان کا قول التنبیہ میں ہے۔ بعض نے کہا: حانث ہو جائے گا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ تمام سالن ہیں۔ ابوداؤد نے حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام سے روایت کیا ہے(2) فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے ایک ٹکڑا جو کی روٹی کا لیا اور اس پر کھجور رکھی اور فرمایا: "یہ اس کا سالن ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا وآخرت کے سالن کا سردار گوشت ہے۔ اس حدیث کو ابوعمرو نے ذکر کیا ہے۔ امام بخاری نے باب الادام کے نام سے عنوان باندھا ہے اور اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی ہے۔ الادام، الموادمۃ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے موافقت کرنا یہ اشیاء روٹی کے موافق ہیں۔ پس یہ ادام ہیں۔ حدیث شریف میں ہے "سالن سے روٹی کھاؤ اگرچہ پانی کے ساتھ ہو"۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ ادام کی حقیقت اجتماع میں اس طرح موافقت ہے کہ فصل کو قبول نہ کرتا ہو جیسے سرکہ، زیتون کا تیل وغیرہ، رہے گوشت اور انڈے وغیرہ یہ روٹی سے موافقت نہیں کرتے بلکہ یہ اس کے مجاور ہوتے ہیں جیسے تربوز، کھجور اور انگور ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو کھانے میں روٹی کی موافقت کی محتاج ہے وہ ادام ہے، جو اس کی محتاج نہیں بلکہ علیحدہ کھائی جاتی ہے تو وہ سالن نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 6۔ امام ترمذی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کا تیل لگاؤ کیونکہ یہ مبارک درخت ہے"(3)۔ یہ حدیث معروف نہیں مگر عبدالرزاق کی

1۔ جامع ترمذی، ابواب الاطعمۃ، ما جاء فی الخل، جلد 2، صفحہ 6

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الایمان، جلد 2، صفحہ 108۔ ایضاً حدیث 2837، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ جامع ترمذی، ابواب الاطعمۃ، ما جاء فی اکل الزیت، جلد 2، صفحہ 7۔ ایضاً، حدیث نمبر 1774

حدیث سے۔ وہ اس میں مضطرب ہے کبھی اس میں وہ عن عمر عن النبی ﷺ ذکر کرتا ہے۔ اور کبھی شک کی بنا پر روایت کرتا ہے اس نے کہا: أحسبه عن عمر عن النبي ﷺ اور کبھی کہا: عن زيد بن اسلم عن ابيه عن النبي ﷺ۔ مقاتل نے کہا: الطور کو زیتون کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، کیونکہ زیتون سب سے پہلے اس سے پیدا ہوا۔ بعض نے کہا: زیتون پہلا درخت ہے جو دنیا میں طوفان کے بعد پیدا ہوا۔

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَ
مِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٢١﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ
فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ
الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۚ وَلَوْ
شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً ۚ مَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ
بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٢٦﴾ فَأَوْحَيْنَا
إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۙ فَاسْلُكْ فِيهَا
مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۖ وَلَا تُخَاطِبْنِي
فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ﴿٢٧﴾

''اور بیشک تمہارے لیے جانوروں میں غور وفکر کا مقام ہے، ہم پلاتے ہیں تمہیں اس (دودھ) سے جو ان کے شکموں میں ہے اور تمہارے لیے ان میں طرح طرح کے بہت فائدے ہیں اور انہیں (کے گوشت) سے تم کھاتے ہو اور ان پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار کیا جاتا ہے۔ اور ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو آپ نے فرمایا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر، کیا تم (بت پرستی کے انجام سے) نہیں ڈرتے۔ تو کہنے لگے وہ سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا ان کی قوم سے کہ نہیں ہے یہ مگر بشر تمہارے جیسا یہ چاہتا ہے کہ اپنی بزرگی جتلائے تم پر اور اللہ تعالیٰ (رسول بھیجنا) چاہتا تو وہ اُتارتا فرشتوں کو ہم نے نہیں سنی بات (جو نوح کہتا ہے) اپنے پہلے آباء واجداد میں، نہیں ہے یہ مگر ایسا شخص جسے جنون کا مرض ہو گیا ہے سو انتظار کرو اس کے انجام کا کچھ عرصہ۔ آپ نے عرض کی: اے رب! (اب) تو ہی میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ تو ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ بناؤ ایک کشتی ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق پھر جب آجائے ہمارا عذاب اور (پانی) اُبل پڑے تنور سے تو داخل کر لو اس میں ہر جوڑے سے دو دو اور اپنے گھر والوں کو بجز ان کے جن کے بارے میں پہلے فیصلہ ہو چکا ہے ان میں سے، اور گفتگو نہ کرنا میرے ساتھ ان کے متعلق جنہوں نے ظلم کیا وہ تو ضرور غرق کیے جائیں گے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ۝ وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝ سورۃ النحل میں ان پر گفتگو ہو چکی ہے۔ سورۂ ہود میں کشتی اور حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ اوران کا سمندر پر سوار ہونا کئی مقامات پر گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ عَلَيْهَا یعنی خشکی میں جانوروں پر۔ وَ عَلَى الْفُلْكِ اور دریا میں کشتی پر۔ تُحْمَلُوْنَ خشکی میں اونٹوں پر سوار کیے جاتے ہو۔ پس ضمیر کا بعض انعام کی طرف لوٹانا جائز ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص پہلے زمانہ میں گائے پر سوار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے سوار سے بولنے کی طاقت عطا فرمائی وہ بولی: میں سواری کے لیے پیدا نہیں کی گئی، میں زمین جوتنے کے لیے پیدا کی گئی ہوں (1)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے جر (زیر) کے ساتھ اور معنی کا اعتبار کرتے ہوئے رفع کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ الاعراف میں یہ گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ یعنی وہ تمہاری سرداری کرے اور تم پر شرف حاصل کرے اس طرح کہ وہ متبوع ہو جائے اور ہم اس کے تابع ہوں۔ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً یعنی اگر اللہ چاہتا کہ اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کی جائے تو وہ اپنا رسول فرشتہ کو بناتا۔ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا اس کی دعوت کی مثل ہم نے نہیں سنا۔ بعض نے کہا: ہم نے اس کی مثل بشر نہیں سنا جو اپنے رب کی رسالت کو لایا ہو۔ فِيْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ یعنی گزشتہ امتوں میں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بھذا میں با زائدہ ہے یعنی ہم نے یہ اپنے آباء و اجداد میں ایسا ہونا نہیں سنا پھر بعض کا بعض پر عطف کیا۔ انہوں نے کہا: اِنْ هُوَ یعنی حضرت نوح علیہ السلام نہیں ہے۔ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ مگر ایک ایسا شخص جس کو جنون کا مرض ہے جو یہ نہیں جانتا کہ کیا کہہ رہا ہے۔ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ یعنی اس کی موت کا انتظار کرو۔ بعض نے فرمایا: حتیٰ کہ اس کا جنون ظاہر ہو جائے۔ فراء نے کہا: یہاں حین سے مراد مقرر وقت نہیں ہے یہ اس قول کی طرح ہے: دعه الی یوم ما اسے کچھ وقت تک چھوڑ دو۔ فرمایا: جب وہ اپنی سرکشی پر بڑھتے رہیں۔ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ یعنی اے میرے رب! جس نے میری اطاعت نہیں کی اور میرا پیغام نہیں سنا اس سے تو انتقام لے۔ فَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ یعنی ہم نے آسمان سے پیغام رساں بھیجے۔ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاسْلُكْ فِيْهَا یعنی اس میں داخل ہو اور اس کے اندر ہو جا۔ کہا جاتا ہے: سلكته في كذا۔ واسلكته فيه۔ جب تو کسی چیز کو داخل کرے عبد مناف بن ربع ہذلی نے کہا:

حتّى إذا أسلكو هم في قُتَائِدَةٍ شَلًّا كما تَطْرُد الجَمّالَه الشُّرُدا

مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ حفص نے مِنْ كُلٍّ تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے اضافت کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے اور حسن نے کہا: حضرت نوح نے کشتی میں سوار نہیں کیا تھا مگر جو بچے جنم دیتی تھی اور انڈے دیتی تھی رہے

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 7351

پسو اور مکھی اور کیڑے تو ان میں سے کسی چیز کو سوار نہیں کیا تھا یہ مٹی سے نکلے تھے۔ کشتی کے بارے میں قول تفصیلاً گزر چکا ہے۔

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۲۸

''پھر جب اچھی طرح بیٹھ جائیں آپ اور آپ کے ساتھی کشتی کے عرشہ پر تو کہنا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے ہمیں نجات دی ظالم قوم (کے ظلم وستم) سے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا اسْتَوَيْتَ جب آپ اور جو آپ کے ساتھی ہیں سوار ہو جائیں اس پر فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ تو اللہ کی حمد کرو کہ اس نے تمہیں خلاصی دی۔ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ غرق ہونے سے الحمد للہ کا کلمہ ہر اللہ کے شکر گذار کا کلمہ ہے۔ سورۂ فاتحہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝۲۹

''اور یہ بھی عرض کرنا کہ اے میرے رب! اتار مجھے بابرکت منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا یہ اکثر کی قرات ہے مُنْزَلًا میم کے ضمہ اور زاء کے فتحہ کے ساتھ۔ یہ انزال سے مصدر ہے یعنی أنزلني انزالا مبارکا۔ زر بن حبیش اور ابو بکر نے عاصم اور مفضل سے منزلا میم کے فتحہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ روایت کیا ہے، یعنی ظرف کا صیغہ پڑھا ہے یعنی مجھے مبارک جگہ پر اتار۔ جوہری نے کہا: المنزل میم اور زاء کے فتحہ کے ساتھ النزول کا معنی اترنا ہے۔ تو کہتا ہے: نزلت نزولا و منزلا؛ شاعر نے کہا:

أأنْ ذكرتَ الدارُ مَنزَلَها جُمْلُ　　بكيتَ فدمعُ العين مُنْحدِرٌ سَجِلُ

المنزل کو نصب دی گئی ہے کیونکہ وہ مصدر ہے أنزله غیرہ اور استنزله ہم معنی ہیں۔ نزله تنزيلا۔ التنزیل کا معنی ترتیب دینا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: یہ اس وقت تھا جب آپ کشتی سے نکلے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ (ہود:48) بعض نے کہا: جب کشتی میں داخل ہوئے تھے۔ اس صورت میں مُّبٰرَكًا کا قول سلامتی اور نجات کے معنی میں ہوگا۔ میں کہتا ہوں اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تعلیم دے رہا ہے کہ جب وہ سوار ہوں اور جب وہ اتریں تو یہ کہیں بلکہ جب اپنے گھروں میں داخل ہوں اور سلام کریں تو یہ کہیں۔ حضرت علی سے مروی ہے کہ وہ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: اللھم اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ۝۳۰

''بیشک اس قصہ میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں اور ہم ضرور (اپنے بندوں کو) آزمانے والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ یعنی نوح اور کشتی میں اور کفار کو ہلاک کرنے میں نشانیاں ہیں جو اس کے کمال قدرت پر دلالت کرتی ہیں وہ اپنے انبیاء کرام کی مدد کرتا ہے اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرتا ہے۔ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ۝ ہم

ضرور پہلی قوموں کو بھی آزمانے والے تھے یعنی انکی طرف اپنے رسل بھیج کر ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالا تھا تا کہ مطیع اور عاصی ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائیں اور ملائکہ کے لیے ان کی حالت واضح ہو جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ علم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بعض علماء نے کہا: اس کا مطلب ہے ہم ان کے ساتھ آزمانے والوں کا معاملہ کرتے ہیں۔ یہ معنی سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ بعض نے کہا: ان کن کا معنی قد کنا ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝٣١ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝٣٢

''پھر ہم نے پیدا فرمادی ان کے (غرق ہونے کے) بعد ایک دوسری جماعت۔ پھر ہم نے بھیجا ان میں ایک رسول ان میں سے (اس نے انہیں کہا) کہ عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے سوا، کیا تم (شرک کے انجام سے) نہیں ڈرتے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ یعنی قوم نوح کی ہلاکت کے بعد قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ ایک دوسری جماعت پیدا کردی۔ بعض نے کہا: یہ قوم عاد تھی۔ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یعنی ہم نے ان میں ہود کو بھیجا کیونکہ حضرت نوح کی قوم کے پیچھے قوم عاد ہی آئی تھی۔ بعض نے کہا: وہ قوم ثمود تھی۔ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا یعنی ہم نے ان میں حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے کہا: اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ (الحجر: 83) اور اس کی مثال یہ ہے۔ وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ (ہود: 67) میں کہتا ہوں: جنہیں چنگھاڑ نے آلیا تھا وہ حضرت شعیب کی قوم اصحاب مدین تھے۔ یہ بعید نہیں کہ یہ ہوں اللہ بہتر جانتا ہے۔ منھم ان کے خاندان سے۔ وہ اس کی پیدائش اور پرورش کی جگہ کو جانتے ہیں تا کہ ان کو اس کی بات سے زیادہ سکون ملے۔

وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝٣٣ وَ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝٣٤ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝٣٥

''تو بولے ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر کیا تھا اور جنہوں نے جھٹلایا تھا قیامت کی حاضری کو اور ہم نے خوشحال بنا دیا تھا انہیں دنیوی زندگی میں (اے لوگو!) نہیں ہے یہ مگر ایک بشر تمہاری مانند یہ کھاتا ہے وہی خوراک جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے اس سے جو تم پیتے ہو۔ اور اگر تم پیروی کرنے لگے اپنے جیسے بشر کی تو تم تب نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔ کیا وہ تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ تم جب مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تمہیں (قبروں سے) نکالا جائے گا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قَالَ الْمَلَاُ۔ الْمَلَاُ سے مراد اشراف، قائدین اور رؤساء ہیں مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ مراد دوبارہ اٹھنا اور حساب ہے۔ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ہم نے ان پر دین کی نعمتوں میں وسعت کر دی حتی کہ وہ اکڑ گئے اور اپنی خوشحالی کی وجہ سے کہنے لگے: مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ من حذف ہے یعنی مما تشربون منه۔ یہ بصریوں کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ ان کے نزدیک حذف کی احتیاج نہیں ہے، کیونکہ ماجب مصدر یہ ہوتو ضمیر عائد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر تو ما کو بمعنی الذی بنائے گا تو مفعول کو حذف کرے گا من کے اضمار کی پھر بھی ضرورت نہیں۔ وَ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ یعنی تم اپنے بتوں کو چھوڑ کر اور اس کی اتباع کر کے خسارہ میں ہو نگے اسے تم پر کوئی فضلیت نہیں ہے۔ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝ یعنی مرنے کے بعد تم قبور سے اٹھائے جاؤ گے۔ پہلا ان محل نصب میں ہے کیونکہ اس پر یعد کم واقع ہے اور دوسرا اناس سے بدل ہے؛ یہ سیبویہ کا مذہب ہے مطلب یہ ہے کہ کیا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ تم نکالے جاؤ گے جب تم مرجاؤ گے۔ فراء نے کہا: حضرت عبد اللہ کی قرات میں یہ تھا أيعدكم إذا متم وكنتم ترابا وعظاما أنكم مخرجون۔ یہ تیرے اس قول کی مانند ہے کہ دوسرا ان تاکید کے لیے مکرر لایا گیا ہے جب کلام لمبی ہو جائے تو اس کا تکرار اچھا ہوتا ہے۔ اخفش نے کہا: اس کا مطلب ہے کیا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے وہ پھر تمہیں نکالے گا؟ پس دوسرا ان فعل مضمر کی وجہ سے محل رفع میں ہے جیسے تو کہتا ہے: اليوم القتال معنی ہے آج جنگ ہوگی۔ ابو اسحاق نے کہا: ايعدكم انكم اذا متم وكنتم ترابا وعظاما انكم مخرجون۔ بھی جائز ہے کیونکہ أيعدكم کا معنی ہے کیا وہ کہتا ہے کہ تم الخ۔

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۝

''یہ بات عقل سے بعید ہے بالکل بعید جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: هَيْهَاتَ یہ بعد کے لیے ہے گویا انہوں نے کہا: جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بعید ہے، جو یہ دوبارہ اٹھنے کا ذکر کرتے ہیں یہ نہیں ہوگا۔ ابوعلی نے کہا: یہ فعل کے قائم مقام ہے یعنی بعد ما توعدون جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بعید ہے۔ ابن الانباری نے کہا: هَيْهَاتَ میں دس لغات ہیں هيهات لك۔ تاء کے فتحہ کے ساتھ؛ یہ جماعت کی قرات ہے هيهات لك تاء کے کسرہ کے ساتھ؛ ابوجعفر بن قعقاع سے مروی ہے۔ هيهات لك تاء کے کسرہ اور تنوین کے ساتھ عیسیٰ بن عمر سے مروی ہے هيهات لك تاء کے رفع کے ساتھ۔ ثعلبی نے کہا: نصر بن عاصم اور ابو العالیہ نے اس طرح پڑھا ہے۔ اور هيهات لك رفع اور تنوین کے ساتھ ابوحیوہ شامی نے اس طرح پڑھا ہے؛ یہ قول بھی ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ هيهات لك نصب اور تنوین کے ساتھ۔ احوص نے کہا:

تذکرت أياما مضين من الصبا وهيهات هيهاتا إليك رجوعها

اور ساتویں لغت ايهات ہے۔ فراء نے یہ دلیل دی ہے:

فأيهات أيهاتَ العقِيقُ ومن به وأيهات خِلٌّ بالعقيق نواصله (1)

مہدوی نے کہا: عیسیٰ ہمدانی نے ھیھات ھیھات تاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن الانباری نے کہا: عربوں میں سے کچھ ایھان نون کے ساتھ بھی کہتے ہیں ایھا بغیر نون کے کہتے ہیں۔ فراء نے یہ شعر پڑھا:

ومن دُونِيَ الأعيان والقِنْع كله وكُثْمانُ أيهَا ما اشت وأبْعَدا

یہ دس لغات ہیں جنہوں نے ھیھات تاء کے فتحہ کے ساتھ کہا اس نے اس کو این اور کیف کی مثل بنایا۔ بعض نے کہا: کیونکہ یہ دو ادات ہیں جو مرکب ہیں جیسے خمسۃ عشر، بعلبك اور رام ہرمز اور تو ھا کے ساتھ دوسرے پر وقف کرے گا جیسے تو کہتا ہے: خمس عشرہ و سبع عشرہ۔ فراء نے کہا اس کی نصب ثمت اور ربت کی نصب کی طرح ہے۔ الف اور اس سے پہلے فتحہ کی اتباع میں فتح ہونا بھی جائز ہے اور جنہوں نے تا کو کسرہ دیا انہوں نے اسے أمس اور ھولاء کی مثل بنایا ہے شاعر نے کہا:

وهيهات هيهات إليك رجوعها

کسائی نے کہا: جنہوں نے کسرہ دیا انہوں نے اس پر ھا کے ساتھ وقف کیا وہ کہتا ہے: ھیھاہ اور جنہوں نے تا کو نصب دی اس نے تا کے ساتھ وقف کیا اگر وہ چاہے تو ھا کے ساتھ وقف کرے اور جنہوں نے تا کو ضمہ دیا انہوں نے اس کو منذ، قط اور حیث کی مثل بنایا اور جنہوں نے ھیھات تنوین کے ساتھ پڑھا وہ جمع ہے اس کے ساتھ اس نے کثرت کا ارادہ کیا گویا کہا: بعداً بعداً بعض نے کہا: کسرہ دیا گیا اور تنوین دی گئی اصوات کے ساتھ تشبیہ کی بنا پر جیسے عاق وطاق۔ اخفش نے کہا: ھیھات میں جمع کا تصور ہونا بھی جائز ہے پس اس میں تا اس جمع کے لیے ہوگی جو تانیث کے لیے ہوتی ہے اور جنہوں نے ھیھات پڑھا یہ جائز ہے کہ اس نے اس کو اسم معرب بنایا ہو جس میں بعد کا معنی ہو اور اس نے فعل کے لیے اسم نہ بنایا ہو تا کہ مبنی ہو۔ بعض نے کہا: تا کو تا جمع کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ (البقرہ:198) فراء نے کہا: میں تا پر وقف کو پسند کرتا ہوں عربوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو تا کو ہر حال میں جر دیتے ہیں گویا یہ عرفات اور ملکوت اور اس کے مشابہ الفاظ کی طرح ہے۔ مجاہد، عیسیٰ بن عمرو، ابو عمر بن علاء، کسائی اور ابن کثیر ھیھاہ پر وقف کرتے تھے۔ ابو عمرو سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ ھیھات پر تا پر وقف کرتے تھے۔ بقیہ قراء کا بھی یہی نظریہ ہے کیونکہ یہ حرف ہے۔ ابن الانباری نے کہا: جس نے ان دونوں کو ایک حرف بنایا ہے وہ ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کرتا اور دوسرے پر ھا کے ساتھ وقف کیا اور پہلے پر وقف نہیں کیا پس وہ کہتا ہے: ھیھات ھیھاہ جیسے کہتا ہے خمس عشرہ جیسا کہ پہلے گزرا ہے اور جنہوں نے ایک کی دوسرے سے علیحدگی کی نیت کی اس نے دونوں میں ھا اور تا کے ساتھ وقف کیا کیونکہ ھا کی اصل تا ہے۔

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾

”نہیں ہے کوئی اور زندگی سوائے ہماری اس دنیوی زندگی کے یہی ہمارا مرنا ہے اور یہی ہمارا جینا ہے اور ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا“۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 143

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا، هِیَ ضمیر الدُّنْیَا سے کنایہ ہے، یعنی زندگی نہیں ہے مگر جس میں ہم ہیں اور آخرت کی زندگی جس کا دوبارہ اٹھنے کا وعدہ کیا ہے یہ نہیں ہے نَمُوْتُ وَ نَحْیَا کہا جاتا ہے: انہوں نے نَمُوْتُ وَ نَحْیَا کیسے کہا وہ تو دوبارہ زندہ ہونے کا یقین نہیں رکھتے تھے؟ اس کے کئی جوابات ہیں ایک یہ کہ اس کا معنی ہے ہم نطفہ تھے پھر ہم دنیا میں زندہ ہوئے۔ بعض نے کہا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی یہ دنیوی زندگی ہے اس میں ہم جئیں گے اور مریں گے یہ جیسے فرمایا: وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ (آل عمران: 43) سجدہ کر اور رکوع کر اس میں بھی تقدیم و تاخیر ہے۔ بعض علماء نے کہا: نَمُوْتُ یعنی ہمارے آباء مر گئے وَ نَحْیَا اولاد زندہ ہوئی۔ وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ۝ موت کے بعد ہمیں نہیں اٹھایا جائے گا۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّ مَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝

”وہ نہیں مگر ایسا شخص جس نے بہتان لگایا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اور ہم قطعاً اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اس (پیغمبر) نے کہا: میرے رب! اب تو میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے تو مجھے جھٹلا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عنقریب ہی یہ لوگ اپنے کیے پر نادم ہو جائیں گے۔ تو آ پکڑا انہیں حقیقی چنگھاڑ نے تو ہم نے انہیں خس و خاشاک بنا دیا تو برباد ہو جائے وہ قوم جو ستم شعار ہے“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ۔ اس سے مراد وہ رسول لیتے تھے۔ افْتَرٰى اس کا معنی ہے اس نے گھڑا۔ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّ مَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ یہ پہلے گزر چکا ہے قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ ما زائدہ مؤکدہ ہے یعنی عن قلیل۔ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ ۝ وہ اپنے کفر پر شرمندہ ہوں گے لام۔ لام قسم ہے یعنی واللہ لیصبحن، فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ تفاسیر میں ہے حضرت جبریل نے اس ہوا کے ساتھ ان پر چیخ ماری جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا اور وہ سب مر گئے۔ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً۔ ہلاک ہونے والے سیلاب کے خس و خاشاک کی طرح تھے۔ غُثَآءً سے مراد وہ پرانے درخت، گھاس اور سرکنڈے ہوتے ہیں جو پرانے ہو جاتے ہیں اور ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ یعنی ان کے لیے ہلاکت ہے۔ بعض نے کہا: ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے۔ یہ مصدر کی بنا پر منصوب ہے اس کی مثل سقیا لہ اور رعیا ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِیْنَ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا یَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّ جَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ۝

”پھر ہم نے پیدا فرمائیں ان (کی بربادی) کے بعد کئی قومیں۔ آگے نہیں بڑھ سکتی کوئی قوم اپنی مقررہ میعاد سے

اور نہ وہ لوگ پیچھے رہ سکتے ہیں۔ پھر ہم بھیجتے رہے اپنے رسول یکے بعد دیگرے جب کبھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا پس ہم بھی ایک کے بعد دوسرے کو ہلاک کرتے گئے اور ہم نے (ان جابر) قوموں کو افسانے بنا دیا پس خدا کی پھٹکار ہو ایسی قوم پر جو ایمان نہیں لاتی"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ یعنی ان کی ہلاکت کے بعد قُرُوْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۴۲﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ اس کلام میں حذف ہے پس انہوں نے اپنے انبیاء کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا من صلہ ہے یعنی کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور پیچھے نہیں رہ سکتی جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ (الاعراف) تَتْرَا کا معنی ہے متواتر۔ بعض کو بعض کے پیچھے بھیجا ترغیب و ترہیب کے لیے۔ اصمعی نے کہا: واترت کتبی علیہ۔ بعض کو بعض کے پیچھے رکھا مگر ان میں سے ہر دو کے درمیان وقفہ تھا۔ دوسرے علماء نے کہا: بغیر مہلت کے متواتر ہونا۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے تتری تنوین کے ساتھ پڑھا ہے(1) کیونکہ یہ مصدر ہے راء کے فتحہ پر تنوین داخل کی گئی جیسے تیرا قول حمدا اور شکرا ہے۔ اس پر وقف اس الف پر ہے جو تنوین کے عوض ہے اور اس کا جعفر کے ساتھ ملحق ہونا بھی جائز ہے پس یہ ارطی اور علقی کی مثل ہوگا جیسے شاعر نے کہا:

یستن فی علقی وفی مُکُور

جب اس وجہ پر وقف ہوگا تو امالہ جائز ہوگا۔ الف ملحقہ پر وقف کی نیت ہوگی۔ ورش نے دونوں لفظوں کے درمیان پڑھا ہے جیسے سکری اور غضبی یہ اسم جمع ہے جیسے شتی اور اسری ہے اسکی اصل وتری ہے یہ الوواتر اور التواتر سے ہے واؤ کو تاء سے بدلا گیا ہے جیسے التقوی والتکلان وتجاہ اور اس جیسے الفاظ۔ بعض نے کہا: یہ الوتر سے مشتق ہے جس کا معنی فرد ہے معنی یہ ہوگا ہم نے انہیں فردا فردا بھیجا۔ نحاس نے کہا اس بنا پر تتری پہلی تا کے کسرہ کے ساتھ جائز ہے یہ، مصدر کی بنا پر منصوب ہے، کیونکہ ثُمَّ اَرْسَلْنَا کا معنی ہے اترنا۔ اور یہ اس کا حال بنانا بھی جائز ہے یعنی متواترین کے معنی میں ہوگا۔ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا یعنی ہم بھی متواتر انہیں ہلاک کرتے رہے۔ وَّ جَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ یہ أحدوثۃ کی جمع ہے جو بات کی جاتی ہے جیسے اعاجیب جمع ہے اعجوبۃ کی وہ جس سے تعجب کیا جائے۔ اخفش نے کہا: شر میں کہا جاتا ہے جعلنا ھم احادیثا اور خیر میں یہ نہیں کہا جاتا ہے: صار فلان حدیثا یعنی فلان عبرت کا نشان بن گیا جیسے دوسری آیت میں فرمایا فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ (سبا: 19) میں کہتا ہوں کہا جاتا ہے: فلان حدیث حسن جب اس کے ذکر کے ساتھ مقید ہو؛ اسی سے ابن درید کا قول ہے۔

وانما المرء حدیث بعدہ فکن حدیثا حسنا لمن وعی

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ۬ بِاٰیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ىِٕهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِیْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 144

عٰبِدُوْنَ ﴿ؕ۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾

''پھر ہم نے بھیجا موسیٰ اور ان کے بھائی ھارون کو اپنی نشانیاں اور واضح دلیل دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انہوں نے بھی غرور و تکبر کیا اور وہ لوگ بڑے سرکش تھے۔ تو انہوں نے کہا: کیا ہم ایمان لے آئیں ان دو آدمیوں پر جو ہماری مانند ہیں حالانکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے۔ پس انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بھی برباد ہونے والوں میں شامل ہو گئے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ۬ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ عَالِیْنَ ﴿﴾ کا معنی ہے تکبر کرنے والے اور دوسروں پر ظلم کرنے والے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ (القصص: 4) فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا یہ آیت پہلے گزر چکی ہے۔ مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ سمندر میں غرق ہونے کے ساتھ ہلاک ہونے والوں سے ہو گئے۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

''بے شک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب تا کہ (ان کی قوم) ہدایت یافتہ ہو جائے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ یعنی تورات، حضرت موسیٰ کا خاص ذکر کیا کیونکہ تورات طور میں ان پر نازل ہوئی تھی اور حضرت ہارون ان کی قوم میں خلیفہ تھے اگر ولقد آتینا ھما فرمایا جاتا تب بھی جائز ہوتا جیسے فرمایا: وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ (الانبیاء: 48)

وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّ اٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾

''اور ہم نے بنا دیا مریم کے فرزند اور اس کی ماں (مریم) کو (اپنی قدرت کی) نشانی اور انہیں بنایا ایک بلند مقام پر جو رہائش کے قابل تھا اور جہاں چشمے جاری تھے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً اس پر گفتگو سورۃ الانبیاء میں گزر چکی ہے۔ وَّ اٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ الربوۃ زمین کی بلند جگہ کو کہتے ہیں۔ یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یہاں اس سے مراد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول میں فلسطین ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ رملہ کا شہر ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن مسیب اور ابن سلام نے فرمایا: اس سے مراد دمشق ہے۔ کعب اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد بیت المقدس ہے۔ کعب نے کہا: یہ وہ زمین ہے جو آسمان کے قریب اٹھارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔

فکنت هَيدا تحت رَمس بربوة تَعاوَرُني رِيحٌ جنوبٌ و شَمْألٌ

ابن زید نے کہا: اس سے مراد مصر ہے۔ سالم افطس نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ: وَّ اٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ سے مراد زمین کی بلند جگہ ہے۔ ذَاتِ قَرَارٍ برابر زمین جس پر قرار ہو۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد پھلوں والی زمین ہے پھلوں کی وجہ سے لوگ اس میں رہتے ہیں وَّ مَعِيْنٍ جاری پانی جو چشموں سے ظاہر ہو کہا جاتا ہے: معین و معن جیسے کہا جاتا ہے: رغیف

و رغف؛ یہ علی بن سلیمان کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: یہ چشموں میں جاری پانی ہے اس بنا پر میم زائدہ ہوگی جیسے مبیع میں میم زائدہ ہے اسی طرح اس کے قول پر بھی میم زائدہ ہوگی جو کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ پانی ہے جو آنکھ کے ذریعے دیکھا جاتا ہے۔ بعض نے کہا: یہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔ علی بن سلیمان نے کہا: کہا جاتا ہے معن الماء جب پانی جاری ہو فهو معین و معیون۔ ابن اعرابی نے کہا: معن الماء یمعن معونا جب پانی جاری ہو اور آسان ہو أَمْعَنَ اور أَمْعَنْتُه و میاہ مُعْنان۔

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿٥١﴾

''اے (میرے) پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو بیشک میں جو اعمال تم کر رہے ہو ان سے خوب واقف ہوں''۔

اس میں دو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا مگر پاک اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو وہی حکم دیا جو اس نے مرسلین کو حکم دیا (1) فرمایا: يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿٥١﴾ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (البقرہ: 172) پھر ذکر کیا ایک شخص لمبا سفر کرتا ہے اس کے بال پراگندہ ہیں، جسم غبار آلود ہے، اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کرتا ہے کہتا ہے: یا رب یا رب جب کہ اس کا کھانا حرام ہے اور پینا بھی حرام ہے اور اس کا لباس بھی حرام ہے اور اسے حرام سے غذا دی گئی ہے پھر اس کی دعا کیسے قبول ہوگی؟''

مسئلہ نمبر 2۔ بعض علماء نے فرمایا: اس آیت میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام رسل کے قائم مقام رکھا جیسے فرمایا: اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ (آل عمران: 173) اس آیت میں النَّاسُ سے مراد نعیم بن مسعود ہے۔ زجاج نے کہا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے جمع کا صیغہ اس بات پر دلیل ہے کہ تمام رسل کو اسی طرح حکم دیا گیا تھا، یعنی حلال سے کھاؤ۔ طبری نے کہا خطاب حضرت عیسیٰ کو ہے روایت ہے کہ وہ اپنی والدہ کے سوت کاتنے سے کھاتے تھے۔ ان سے مشہور یہ ہے کہ وہ جنگل کی سبزیوں سے کھاتے تھے اور حضرت عیسیٰ کو خطاب کی وجہ وہی ہے جو ہم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ذکر کی ہے یعنی انہیں شرف دینے کے لیے۔ بعض نے کہا: اس بات سے ہر نبی کو خطاب کیا گیا ہے کیونکہ یہ ان کا طریقہ ہے جس پر ان کا ہونا مناسب ہے پس معنی یہ ہوگا ہم نے کہا: اے رسل! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جیسے تو تاجر کو کہتا ہے: اے تاجرو! سود سے بچو، تو اس کو معنی کے ساتھ خطاب کرتا ہے اس کے ساتھ متصل ہے کہ یہ مقالہ تمام اصناف کی صلاحیت رکھتا ہے انبیاء کرام کو اکٹھا کبھی خطاب نہیں کیا گیا ہر ایک کو اس کے زمانہ میں خطاب کیا گیا۔ فراء نے کہا: یہ اس طرح ہے جیسے ایک شخص کو کہتا ہے، ہمیں اذیت دینے سے رک جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے اکل حلال کے وجوب اور حرام سے اجتناب کے ساتھ خطاب میں انبیاء کرام اور مومنین میں برابری فرمائی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، قبول الصدقۃ من الکسب الطیب، جلد 1، صفحہ 326

اور پھر تمام اس وعید میں شامل ہیں جس کو اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ کا ارشاد اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ درود بھیجے اپنے رسل اور انبیاء پر جب انبیاء کرام کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو پھر باقی لوگوں کے ساتھ کیسا گمان ہے؟ الطیبات اور الرزق کے بارے میں گفتگو کئی مقامات پر گزر چکی ہے۔ الحمدللہ۔ اور حدیث شریف یمد یدیہ (1)۔ وہ ہاتھوں کو بلند کرتا ہے۔ دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھوں کو بلند کرنے کی مشروعیت پر دلیل ہے۔ اس میں کلام گزر چکی ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: فانی یستجاب لذلک (2)۔ اس کی دعا قبول کیسے ہوگی؟ یہ استبعاد کی جہت سے ہے یعنی وہ دعا کی قبولیت کا اہل نہیں لیکن یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف کرم سے اس کی دعا قبول فرمالے۔

وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝۵۲ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۳ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝۵۴

"اور یہی تمہارا دین ہے (اور) وہ ایک ہی ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں سو تم ڈرا کرو مجھ سے۔ لیکن کاٹ کر بنا دیا انہوں نے اپنی دینی وحدت کو باہمی اختلاف سے پارہ پارہ، ہر گروہ اپنے نظریات پر مسرور ہے۔ پس (اے محبوب!) رہنے دو انہیں اپنی مدہوشی میں کچھ وقت تک"۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ یہ تمہارا دین اور تمہاری ملت ہے پس اسے لازم پکڑو۔ امت سے مراد یہاں دین ہے اس کے محمل پہلے گزر چکے ہیں اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ (الزخرف: 23) یعنی علی دین النابغہ نے کہا۔

حلفتُ فلم أترك لنفسك ريبة　　وهل يأثمن ذو أمّة وهو طائع

مسئلہ نمبر 2۔ وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ ھمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور فتحہ کے ساتھ اور نون کی تشدید کے ساتھ پڑھا گیا ہے: خلیل نے کہا: یہ محل نصب میں ہے کیونکہ حرف جر حذف ہے یعنی أنا عالم بأن هذا دینکم الذی أمرتکم أن تؤمنوا بہ۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارا یہ دین ہے جس کا میں نے حکم دیا ہے کہ تم اس پر ایمان لاؤ (3)۔ یہ مضمر فعل کے متعلق ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ واعلموا أن هذه أمتكم۔ یہ سیبویہ کے نزدیک فَاتَّقُوْنِ کے متعلق ہے۔ تقدیر اس طرح ہے فاتقون لأن أمتكم واحدة۔ یہ اس ارشاد کی طرح ہے: وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝ (الجن) یعنی لأن المساجد للہ فلا تدعوا معه غیرہ۔ اور جس طرح یہ ارشاد ہے: لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝ (القریش: 1) یعنی فلیعبدوا رب هذا البیت لایلاف قریش۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ آیت اس بات کو تقویت دیتی ہے کہ يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ میں خطاب سب کو ہے۔ یہ انکی حاضری کی

1۔ صحیح مسلم، بیان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، جلد 1، صفحہ 326　　2۔ ایضاً
2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 146

تقدیر کے اعتبار سے ہے اور جب تو یٰٓاَیُّهَا الرُّسُلُ سے مراد صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب لے تو اس آیت اور فَتَقَطَّعُوْٓا کا اتصال مشکل ہوتا ہے۔ رہا اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ۔ کا ارشاد اگرچہ یہ انبیاء کرام کو کہا گیا ہے لیکن معنی کے اعتبار سے اس میں امتیں بھی شامل ہیں اس کے بعد فَتَقَطَّعُوْٓا کا اتصال بہتر ہوگا۔ فَتَقَطَّعُوْٓا سے مراد ہوگا کہ امتیں متفرق ہوگئیں انہوں نے ایک دین کو اجتماع کے حکم کے بعد بھی کئی ادیان بنا ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی رائے اور گمراہی پر خوش ہے یہ گمراہی کی انتہا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ''خبردار! تم سے پہلے اہل کتاب بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے اور یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی بہتر دوزخ میں ہوں گے اور ایک جنت میں ہوگا اور وہ جماعت ہے''۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے (1) اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ زائد روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون سا گروہ ہے؟ فرمایا: ''جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں'' (2) انہوں نے اسے حضرت عبد اللہ بن عمرو کی حدیث سے بیان کیا ہے۔ یہ بیان ہے کہ آیت میں اور حدیث میں جس افتراق سے ڈرایا گیا ہے وہ اصول دین اور قواعد دین میں ہے کیونکہ اصول وقواعد پر ملل کا اطلاق کیا ہے اور بیان فرمایا کہ ان ملل میں سے کسی چیز کو پکڑنا☆ دخول نار کا موجب ہے اس قسم کا حکم فروع میں نہیں بیان کیا جاتا، کیونکہ یہ ملل کے متعدد ہونے اور آگ کے عذاب کا موجب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (المائدہ: 48) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زُبُرًا یعنی وہ کتب جو انہوں نے خود وضع کیں اور گمراہیاں جو انہوں نے تالیف کیں؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔ بعض علماء نے کہا: انہوں نے کتب کو جدا جدا کیا اور ایک فرقہ نے صحف کی پیروی کی، ایک فرقہ نے تورات کی پیروی کی، ایک فرقہ نے زبور کی اور ایک فرقہ نے انجیل کی پیروی کی تمام نے ان کتب میں تحریف اور تبدیلی کی؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ بعض نے کہا: ان میں سے ہر فریق نے ایک کتاب کو پکڑا اس پر ایمان لائے اور اس کے علاوہ کتب کا انکار کیا۔ زبرا باء کے ضمہ کے ساتھ نافع کی قرأت ہے اس کی جمع زبور ہے اعمش اور ابو عمرو سے زبرا باء کے فتحہ کے ساتھ مروی ہے یہ لوہے کے ٹکڑوں کی طرح ٹکڑے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ (الکہف: 96) كُلُّ حِزْبٍۭ یعنی ہر فریق اور ہر ملت۔ بِمَا لَدَيْهِمْ یعنی جو دین میں سے ان کے پاس تھا۔ فَرِحُوْنَ اس پر خوش تھے یہ آیت قریش کی مثال ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بارے میں خطاب فرمایا اس قول کے ساتھ: فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ۔ یعنی ان لوگوں کو چھوڑیئے یہ گذشتہ لوگوں کی طرح ہیں ان سے عذاب کی تاخیر پر آپ کا سینہ تنگ نہ ہو۔ ہر چیز کا ایک وقت ہے۔ الغمرۃ لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو تجھے ڈھانپ لے اور تجھ پر غالب آجائے۔ اس کی اصل ڈھانپنا ہے اس میں سے الغمر ہے جس کا معنی کینہ ہے کیونکہ وہ دل کو ڈھانپ دیتا ہے الغمرۃ زیادہ پانی کو بھی کہتے ہیں جو زمین کو ڈھانپ دیتا ہے۔ غمر الرداء وہ جو عطا کے ساتھ لوگوں کو ڈھانپ دیتا ہے شاعر نے کہا:

1۔ سنن ابی داؤد، باب شرح السنۃ، جلد 2، صفحہ 275 2۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 89

☆ ایسے اصول وقواعد کو اپنانا جو ان اصول وقواعد کے خلاف ہوں جن پر دین اسلام کی بنیاد ہے۔

غَمْرُ الرداءِ إذا تبسم ضاحكا　غَلِقَتْ لضحكتِه رقابُ المالِ

یہاں مراد حیرت، غفلت اور گمراہی ہے۔ دخل فلان فی غمار الناس یعنی وہ ان کے رش میں داخل ہوا۔ حَتّٰى حِيْنٍ۔ مجاہد نے کہا: اس کا مطلب ہے موت تک، یہ دھمکی ہے کوئی متعین وقت نہیں ہے جیسے کہا جاتا ہے: سیاتی لک یوم؛ ایک دن تجھ پر آئے گا۔

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿٥٥﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٦﴾

''کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال و اولاد (کی کثرت سے)، تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿٥٥﴾ ما بمعنی الذی ہے یعنی اے پیارے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ جو ہم انہیں دنیا میں مال اور اولاد دیتے ہیں وہ ان کے لیے ثواب ہے بلکہ وہ تو استدراج ہے اور ڈھیل ہے یہ بھلائیوں کے پہنچانے میں جلدی نہیں ہے۔ ان کی خبر میں تین اقوال ہیں۔ (۱) خبر محذوف ہے۔ زجاج نے کہا اس کا معنی ہے نسارع لھم بہ فی الخیرات، بہ کو، حذف کیا گیا (1)۔ ہشام الضریر نے ایک باریک اور دقیق قول کیا ہے۔ انہوں نے کہا: انما ھی الخیرات۔ معنی یہ ہوگا سارع لھم فیہ۔ پھر ظاہر فرمایا اور فرمایا فِي الْخَيْرٰتِ۔ اس تقدیر پر اس میں حذف نہیں ہے۔ کسائی کا مذہب یہ ہے کہ انما ایک حرف ہے۔ یہ حذف کی تقدیر کا محتاج نہیں وَّبَنِيْنَ پر وقف جائز ہے اور جنہوں نے کہا کہ انما دو حرف ہیں ان کے نزدیک ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو خبر سے ان کے اسم کی طرف لوٹے وَّبَنِيْنَ پر وقف مکمل نہیں۔ سختیانی نے کہا وَّبَنِيْنَ پر وقف اچھا نہیں کیونکہ يَحْسَبُوْنَ دو مفعولوں کا محتاج ہے۔ دونوں مفعولوں کی تکمیل فِي الْخَيْرٰتِ میں ہے۔ ابن انباری نے کہا: یہ خطا ہے کیونکہ انّ اپنے اسم اور خبر کی وجہ سے کافی ہے ان کے بعد دوسرا مفعول لانا جائز نہیں۔ ابو عبد الرحمن سلمی اور عبد الرحمن بن ابی بکرہ نے یسارع یاء کے ساتھ پڑھا ہے اس بناء پر کہ اس کا فاعل امدادنا ہے۔ یہ بغیر حذف کے ہونا جائز ہے یعنی یسارع لھم الامداد۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس میں حذف جائز ہو معنی ہوگا یسارع اللہ لھم اور یسارع لھم فی الخیرات بھی پڑھا جاتا ہے اس میں تین وجوہ ہیں: ایک حذف کی بناء پر ہے اور یسارع الامداد ہو بھی جائز ہے یہ بھی جائز ہے کہ لھم نائب الفاعل ہو؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ مہدوی نے کہا حر نحوی نے نسرع لھم فی الخیرات پڑھا ہے یہ جماعت کی قرات کا معنی ہے۔ ثعلبی نے کہا: درست جمہور کی قرات ہے کیونکہ پیچھے نمد آیا ہوا ہے۔ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٦﴾ انہیں شعور نہیں کہ یہ ان کے لیے فتنہ ہے اور استدراج ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 347

یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ الَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ
قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾

''بیشک وہ لوگ جو اپنے رب کے خوف سے ڈر رہے ہیں، اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ (کسی کو) شریک نہیں بناتے، اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اس حال میں کہ ان کے دل ڈر رہے ہیں (اس خیال سے) کہ وہ (ایک دن) اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ کفار کے ذکر اور ان کو وعید سنانے کے بعد مومنین کا ذکر کیا جو نیکیوں میں جلدی کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو ان کے ساتھ وعدہ کیا ہے اس کا ذکر کیا ہے اور ان کی ابلغ صفات کا ذکر کیا مُشْفِقُوْنَ وہ ان چیزوں سے ڈرنے والے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ڈرایا ہے۔ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ الَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ۔ حسن نے کہا: وہ اخلاص کا مظاہرہ کرتے ہیں اور وہ ڈرتے ہیں کہ ان کا عمل کہیں غیر مقبول ہو جائے۔ ترمذی نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ سے اس آیت کے متعلق پوچھا: وَ الَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ حضرت عائشہ نے عرض کی: کیا وہ شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں (1)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں اے صدیق کی بیٹی! لیکن وہ روزے رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں جب کہ وہ ڈرتے بھی رہتے ہیں کہ کہیں ان کے یہ اعمال رد نہ کیے جائیں یہی وہ لوگ ہیں جو نیکیوں میں جلدی کرنے والے ہیں'' (2)۔ حسن نے کہا: ہم نے ایسے لوگوں کو پایا کہ انہیں اپنی نیکیوں کے رد ہونے کا زیادہ خوف ہوتا تھا اس سے زیادہ جتنا کہ تمہیں اپنی برائیوں پر عذاب دیئے جانے کا خوف ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور نخعی نے وَ الَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا۔ الاتیان سے مشتق کر کے مقصور پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: یہ قرات حضرت عائشہ سے صحیح ہوتی تو جماعت کی قرأت کے خلاف نہ ہوتی کیونکہ عربوں میں سے جو تمام حالات میں ہمزہ میں الف کو لازم کرتے ہیں جب اسے لکھا جاتا ہے پس سئل الرجل سین کے بعد الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ یستھزؤن۔ زا اور واؤ کے درمیان الف کے ساتھ ہے اور شئی یا کے بعد الف کے ساتھ ہے۔ پس ان علماء کے نزدیک یا کے بعد الف کے ساتھ لکھنا ناپسندیدہ نہیں یہ لفظ اس خط کی بنا پر دونوں قراءتوں کا احتمال رکھتا ہے۔ یُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا۔ ویاتون ما اتوا (3) ان دونوں تاویلوں کے احتمال کے ساتھ منفرد ہے۔ وہ نظریہ جو جماعت کا ہے، وہ جو زکاۃ، صدقہ دیتے ہیں تو ان کے دل کانپ رہے ہوتے ہیں اور وہ جو فرشتوں کو اعمال پیش کرتے ہیں تو ڈر رہے ہوتے ہیں۔ مفعول کو اس باب میں حذف کیا گیا ہے کیونکہ اس کا معنی واضح ہے، جس طرح کہ اس قول میں حذف کیا گیا ہے فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَ فِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ (یوسف) یعنی وہ تلوں اور انگور کو نچوڑتے ہیں۔ مفعول کو حذف کیا کیونکہ اس کی تاویل واضح ہے۔ اصل اس قرات پر ہوگی اور قرآن کے

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ مومنون، جلد 2، صفحہ 147
2۔ ترمذی، باب ومن سورۃ المومن، حدیث نمبر 3099، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 348

اصل نسخہ میں موجود ہے یاتون، الف ہمزہ سے بدلا گیا ہے اور الف کو واؤ کی صورت میں لکھا گیا ہے، کیونکہ خفا میں حروف مدہ اور لین برابر ہیں، ابن الانباری نے یہ حکایت کیا ہے۔ نحاس نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرات سے معروف والذین یاتون ما اتوا ہے یہ قرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور حضرت عائشہ سے مروی ہے اور اس کا معنی ہے وہ عمل کرتے ہیں جو عمل کرتے ہیں جیسا کہ حدیث میں مروی ہے۔ الوجل کا معنی ڈرنا اور خوف کھانا ہے متقی اور تائب کو انجام کا خوف ہوتا ہے اور ان امور کا خوف ہوتا ہے جو موت کے بعد اس پر طاری ہوں گے۔ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ یہ خاتمہ پر تنبیہ ہے۔ صحیح بخاری میں ہے: انما الأعمال بالخواتیم (1)۔ اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔ رہا وہ شخص جس سے نیکیاں اور گناہ دونوں سرزد ہوتے ہوں تو انہیں وعید کے نفاذ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اصحاب الخواطر نے کہا: عارف پر طاعت کی وجہ سے کپکپی اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جتنا کہ مخالفت پر کپکپی ہوتی ہے کیونکہ مخالفت کو توبہ مٹا دیتی ہے اور طاعت میں غرض کی تصحیح مطلوب ہوتی ہے ☆ اَنَّهُمْ یعنی لانهم یا من اجل انهم۔۔۔۔ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ۔

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝۶۱

''یہی لوگ جلدی کرتے ہیں بھلائیاں کرنے میں اور وہ بھلائیوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ۔ خیرات سے مراد نیکیاں ہیں وہ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں تاکہ اعلیٰ درجات اور بالا خانوں کو حاصل کرلیں یہ يُسْرِعُوْنَ بھی پڑھا گیا ہے یعنی وہ نیکیوں کی طرف جلدی کرنے والے ہوتے ہیں يُسٰرِعُوْنَ کا مطلب ہے وہ اس سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں جو ان سے نیکیوں میں سبقت لے جاتا ہے مفعول محذوف ہے۔ زجاج نے کہا: جو جلدی کرتے ہیں وہ اس سے زیادہ جلدی کرتے ہیں (2)۔ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ۔ اسمیں جو خوبصورت قول ہے وہ یہ ہے کہ وہ نیکیوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ دلیل ہے کہ نیکیوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنا افضل ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ جو کسی چیز میں بڑھ جائے وہ اس کی طرف سبقت لے جانیوالا ہے اور ہر وہ شخص جو اس سے موخر ہوتا ہے تو اس کا فوت ہونا اس سے سبقت لے جاتا ہے۔ لَهَا۔ میں لام اس قول کی بنا پر الی کے معنی میں ہے، جیسے فرمایا: بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ (الزلزلۃ) یعنی اوحی الیہا۔ سیبویہ نے یہ شعر کہا ہے:

تجانفُ عن جَوّ اليمامة ناقتي وما قصدت من أهلها لِسوائكا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ کا یہ معنی مروی ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کے لیے سعادت مل چکی ہے اس وجہ سے وہ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ نیکیوں کی وجہ سے سبقت لے جانے والے ہیں۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۶۲

''اور ہم تکلیف نہیں دیتے کسی شخص کو مگر جتنی اس کی طاقت ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو سچ بولتی ہے

1۔ صحیح بخاری، باب العمل بالخواتیم، جلد 2، صفحہ 978 2۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 348

☆ النکت والعیون، جلد 4، صفحہ 59

اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اور جو تکلیف مالا یطاق شریعت میں وارد ہے اس تمام کے لیے ناسخ ہے۔ وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ سب کا ظاہر قول یہ ہے کہ یہاں کتاب سے مراد اعمال کو شمار کرنے والی کتاب ہے جسے ملائکہ اٹھاتے ہیں اس کو اپنی طرف منسوب کیا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں وہ حق کے ساتھ بولتی ہے اس میں تہدید اور ظلم سے مایوس کرنا ہے۔ لفظ النطق کتاب کے لیے جائز ہے اور مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام اس کے احکام کے ساتھ بولتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد لوح محفوظ ہے اس میں ہر چیز لکھی ہوئی ہے پس وہ اس سے تجاوز نہیں کرتے۔ بعض نے کہا: وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ سے مراد قرآن ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ تمام معانی کا احتمال رکھتا ہے اور پہلا معنی اظہر ہے۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ ۫ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

"بلکہ ان کے دل مدہوش ہیں اس (خوفناک حقیقت) سے اور ان کے اعمال مومنوں کے اعمال سے مختلف ہیں۔ یہ (نابکار) ان برے کاموں کو ہی کرنے والے ہیں، یہاں تک کہ جب ہم پکڑیں گے ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب سے اس وقت وہ چلائیں گے۔ (ظالمو!) آج نہ چلاؤ تمہاری ہماری طرف سے اب کوئی مدد نہ کی جائے گی"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا مجاہد نے کہا: وہ پردے اور غفلت میں ہیں اور قرآن سے اندھے ہو چکے ہیں کہا جاتا ہے: غمرة الماء جب پانی ڈھانپ لے۔ نہر غمر ایسی نہر کہ جو اس میں داخل ہو اس کو ڈھانپ دیتی ہے رجلٌ غُمْرٌ یغمرہ آراء الناس۔ ایسا شخص جس کو لوگوں کی آراء ڈھانپ لیں۔ بعض علماء نے کہا غمرة کیونکہ وہ چہرے کو ڈھانپ لیتی ہے اسی سے ہے دخل فی غمار الناس و خمارھم۔ یعنی لوگوں کے مجمع نے اسے ڈھانپ لیا۔ بعض نے کہا: بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ یعنی وہ حیرت اور اندھے پن میں ہیں یعنی اس سے وہ اندھے ہیں جو پہلی آیات میں اعمال خیر بیان کیے گیے ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے یا اس کتاب سے اندھے ہیں جو حق بولتی ہے(1)۔ وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ قتادہ اور مجاہد نے کہا: ان کی ایسی خطائیں ہیں کہ ضرور وہ حق کے علاوہ کام کریں گے۔ حسن اور ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے ان کے ردی اعمال ہیں جس روش پر ہیں انہوں نے اس کے علاوہ اعمال نہیں کیے ضرور وہ مومنین کے اعمال کے علاوہ اعمال کریں گے جن کی وجہ سے وہ دوزخ میں داخل ہوں گے ان کے لیے شقاوت مقدر ہو چکی ہے۔ ایک تیسرا احتمال بھی ہے کہ اس نے خالق کا کفر کرنے کے ساتھ مخلوق پر ظلم کیا؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ یہ معانی قریب قریب ہیں۔ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا

1۔ احکام القرآن للطبری، جز 18 صفحہ 46

مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ۔ یعنی بدر کے دن جب ہم نے تلوار کے ساتھ ان کے خوشحال لوگوں کو پکڑ لیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: یعنی بھوک سے پکڑ لیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعا کی ''اے الله! مضر قبیلہ پر سختی فرما۔ اے الله! انہیں ایسے قحط میں مبتلا کر دے جیسے یوسف کے زمانہ میں تھا'' (1) پس الله تعالیٰ نے انہیں قحط اور بھوک میں مبتلا کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے ہڈیاں، مردار، کتے اور دھڑ ننگے کھائے، ان کے مال اور عیال ہلاک ہوئے۔ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ۔ وہ چیختے تھے اور مدد طلب کرتے تھے۔ الجؤار کا اصل معنی تضرع کے ساتھ آواز بلند کرنا ہے، جیسے بیل آواز نکالتا ہے۔ اعشیٰ نے گائے کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا:

فطافت ثلاثا بين يوم وليلة　　وكان النكير أن تُضيف وتجأرا

جوہری نے کہا: الجؤار، الخوار مثل ہے۔ کہا جاتا ہے: جأر الثور يجأر یعنی بیل نے آواز نکالی۔ بعض نے عجلا جسدا له جؤار پڑھا ہے۔ اخفش نے یہ حکایت کیا ہے۔ اور جأر الرجل الى الله عزوجل یعنی دعا کے ساتھ تضرع کیا۔ قتادہ نے کہا: وہ توبہ کے ساتھ چیختے تھے پس ان سے توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

يراوح من صلوات المليك　　فطورا سجودا و طورا جؤارا

ابن جریج نے کہا: حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بدر میں قتل کیے گئے تھے۔ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکہ میں تھے۔ پس دونوں قولوں کو جمع کیا گیا۔ یہ عمدہ ہے۔ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا۔ منا سے مراد من عذابنا ہمارے عذاب سے لَا تُنْصَرُوْنَ۔ تمہاری حفاظت نہیں کی جائے گی اور تمہاری جزع و فزع تمہیں نفع نہیں دے گی۔ حسن نے کہا: توبہ کی قبولیت کے ساتھ ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ بعض علماء نے کہا: اس نہی کا معنی اخبار ہے یعنی تم اگر تضرع وزاری کرو تو تمہیں نفع نہ دے گی۔

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖۗ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

''(وہ وقت یاد کرو) جب ہماری آیتیں تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں اور تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جایا کرتے تھے غرور و تکبر کرتے ہوئے (پھر صحن حرم میں) تم داستان سرائی کیا کرتے تھے''۔

الله تعالیٰ کا ارشاد ہے: تُتْلٰى عَلَيْكُمْ تم پر پڑھی جاتی ہیں۔ ضحاک نے کہا قتل کے ساتھ عذاب دینے سے پہلے۔ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ تم پیچھے کی طرف لوٹتے ہو (2)۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی پیچھے ہٹتے ہو۔ اس کی اصل الٹے پاؤں پیچھے ہٹنا ہے، شاعر نے کہا:

زعموا بأنهم على سُبُل النجا　　ة وإنما نكص على الأعقاب

1۔ صحیح بخاری، الدعاء على المشركين، جلد 2، صفحہ 942　　2۔ احکام القرآن للطبری، جز 18-17، صفحہ 48

یہاں حق سے اعراض سے استعارہ ہے۔ حضرت علی نے علی ادبار کم پڑھا ہے۔ تنکصون کاف کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۚ بِهٖ کی ضمیر سے حال ہے۔ جمہور نے کہا: یہ ضمیر حرم یا مسجد یا البلد کی طرف لوٹ رہی ہے، البلد سے مراد مکہ ہے اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں لیکن معاملہ میں اس کی شہرت کی وجہ سے ضمیر لوٹانا جائز ہے، یعنی وہ کہتے ہیں ہم اہل حرم ہیں پس ہم نہیں ڈرتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے وہ اپنے دلوں میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں ان کے لیے مسجد اور حرم کی وجہ سے لوگوں پر زیادہ حقوق ہیں پس وہ اس وجہ سے تکبر کرتے تھے، حق سے تکبر کرنا مراد نہیں۔ ایک جماعت نے کہا: ضمیر کا مرجع قرآن ہے اس حیثیت سے کہ آیات ذکر کی گئی ہیں معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے میری آیات سننا تکبر اور سرکشی کو پیدا کرتا ہے، پس تم اس پر ایمان نہ لاؤ۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ عمدہ قول ہے۔ نحاس نے کہا: پہلا قول اولی ہے اس کا معنی ہے وہ حرم کی وجہ سے فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم اہل حرم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۞ اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ، سامرا پر نصب حال کی بنا پر ہے اس کا معنی ہے سمارا۔ وہ جماعت جورات کو باتیں کرتی ہے۔ یہ السمر سے مشتق ہے جس کا معنی ہے چاند کا سایہ اسی سے سمرۃ اللون ہے۔ وہ کعبہ کے اردگرد چاند کے سایہ میں باتیں کرتے تھے اس کو التحدث کہا گیا۔ ثوری نے کہا: چاند کے سایہ کو السمر کہتے ہیں اسی سے السمرۃ فی اللون ہے رنگ میں گندمی رنگ کہا جاتا ہے۔ اس کو الفخت کہا جاتا ہے اور اسی سے فاختۃ ہے۔ ابورجاء نے سمارا پڑھا ہے یہ جمع ہے سامر کی جیسا کہ شاعر نے کہا:

الست تری السمار والناس احوالی

قیلہ کی حدیث میں ہے: اذا جاء زوجھا من السامر، جب اس کا خاوند داستان سرائی کرنے والی قوم سے واپس آیا، یہ اسم مفرد بمعنی جمع ہے جیسے الحاضر ہے اس سے مراد وہ قوم ہوتی ہے جو پانی پر اترتی ہے۔ الباقر جمع ہے البقر کی اور الجامل جمع ہے الابل کی مذکر اور مونث دونوں کی جمع یہی ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا (غافر: 67) یعنی اطفالا کہا جاتا ہے قوم سمرد سمرد سامر اس کا معنی ہے رات کو جاگنا، یہ السمر سے مشتق ہے اس سے مراد چاند کی وہ روشنی ہے جو درختوں پر پڑتی ہے۔ جوہری نے کہا: السامر اور اسی طرح السمار وہ لوگ جو داستان سرائی کرتے ہیں جیسے الحاج کو حجاج کہا جاتا ہے۔ شاعر کا قول ہے:

وسامر طال فیہ اللھو والسمر

گویا اس مکان کو سامر کہا گیا جس میں قصہ خوانی کے لیے جمع ہوا جاتا ہے۔ بعض علماء نے کہا: سامر واحد ہے اور بمعنی السمار ہے کیونکہ یہ وقت کے لیے وضع کیا گیا ہے جیسے شاعر کا قول ہے۔

مِنْ دُوْنِهِمْ إِنْ جِئْتَهُمْ سَمَرًا عَزْفُ الْقِيَانِ وَ مَجْلِسٌ غَمَرُ

اور فرمایا: سمرا کیونکہ اس کا معنی ہے اگر تو رات کے وقت ان کے پاس آئے گا جبکہ وہ قصہ خوانی میں مصروف ہوں گے

بنا سمیر رات اور دن کو کہتے ہیں کیونکہ ان میں داستان سرائی ہوتی ہے کہا جاتا ہے: لا افعلہ ما سمرا بنا سمیر ابدا میں کبھی بھی ایسا نہیں کروں گا، السمیر زمانہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ اور ابناہ سے مراد رات اور دن میں۔ لا افعلہ السمر والقمر یعنی جب تک لوگ چاندنی رات میں قصہ خوانی کرتے رہیں گے میں ایسا نہیں کروں گا۔ ولا افعلہ سمیر اللیالی، شنفری نے کہا:

هنالك لا أرجو حياة تَسُرُّنِي سَمِيرَ الليالي مُبْسَلًا بالجرائر

السمار سین کے فتحہ کے ساتھ پتلا دودھ۔ عرب قصہ خوانی کے لیے بیٹھتے تھے۔ یہ نجوم کے ذریعے اس کی معرفت کو ثابت کیا ہے کیونکہ وہ صحراء میں بیٹھتے تھے اور طلوع اور غروب ہونے والے ستارے دیکھے جاتے تھے۔ قریش کعبہ کے اردگرد مجالس قائم کرتے تھے۔ اور جھوٹی اور کفریہ کہانیاں بیان کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے انہیں عیب لگایا۔ تَهْجُرُوْنَ۔ تاء کے ضمہ کے ساتھ، میم کے کسرہ کے ساتھ اَهْجَرَ سے مشتق ہے جب کوئی فحش کلام کرے۔ اور تاء کے نصب کے ساتھ اور جیم کے ضمہ کے ساتھ ھجر المریض سے مشتق ہے جس کا معنی ہے مریض نے ہذیان بکا۔ اس کا معنی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے بارے بری بات کرتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 2: سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی مُسْتَكْبِرِيْنَ ۚ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝ تو قصہ خوانی مکروہ ہوگئی؛ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی مذمت فرمائی ہے جو طاعت الٰہی کے علاوہ باتیں کرتے ہیں خواہ وہ ہذیان میں ہو یا کوئی اور مشورہ میں ہو۔ اعمش فرماتے تھے: جب میں شیخ کو دیکھتا ہوں جبکہ اس نے حدیث نہیں لکھی ہوتی تو میں اسے تھپڑ مارتا ہوں کیونکہ وہ شیوخ القمر سے ہے یعنی جو چاندنی راتوں میں جمع ہوتے ہیں خلفاء اور امراء کے زمانہ کو بیان کرتے ہیں ان میں سے کوئی نماز کے لیے اچھی طرح وضو نہیں کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ امام مسلم نے حضرت ابو برزہ سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کو رات کے تہائی حصہ تک موخر فرماتے تھے اور عشاء کی نماز سے پہلے سونا اور بعد میں باتیں کرنا ناپسند فرماتے تھے (1)۔ علماء نے فرمایا: نماز سے پہلے سونے کی کراہت اس لیے ہے تا کہ پورا وقت کہیں فوت نہ ہو جائے یا افضل وقت ضائع نہ ہو جائے، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جو عشاء سے پہلے سو جائے اس کی آنکھ کبھی نہ سوئے۔ یہ تین مرتبہ فرمایا: جن علماء نے عشاء سے پہلے سونے کو مکروہ قرار دیا ہے ان میں حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں۔ یہی امام مالک کا مذہب ہے۔ بعض نے اس کی رخصت دی ان میں سے حضرت علی، حضرت ابو موسیٰ وغیرہم ہیں یہ کوفیوں کا مذہب ہے۔ بعض نے شرط لگائی ہے کہ وہ اپنے ساتھ ایک شخص رکھ لے جو اسے نماز کے لیے جگائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے؛ یہی امام طحاوی کا مذہب ہے۔ رہا نماز کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہونا تو یہ اس لئے ہے کیونکہ نماز گناہوں کے لیے کفارہ ہے پس وہ سلامتی پر سوئے گا جب کہ فرشتوں نے اس کے صحیفہ کو عبادت کے ساتھ ختم کیا تھا۔ وہ قصہ کہانی کرتا ہے وہ اپنی طرف سے باتیں کرتا ہے اور اپنا اختتام لغو اور باطل چیز پر کرتا ہے اور یہ مومنین کے فعل سے نہیں ہے۔ دیر تک باتیں کرتے رہنا رات کے

1۔ صحیح مسلم، استحباب التکبیر بالصبح فی اول وقتہا وھو التغلیس، جلد 1، صفحہ 230

آخری حصہ میں نیند کو غالب کرتا ہے۔ اور رات کے آخر میں قیام بھی نہیں کر سکتا۔ بعض اوقات صبح کی نماز سے بھی رہ جاتا ہے۔ بعض علماء نے کہا: عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ نے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب لوگوں کے چلنے کی آواز تھم جائے تو قصہ خوانی سے پرہیز کرو کیونکہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کیا پھیلائے گا تم اپنے دروازے بند کر دو اور مشکیزوں کے منہ باندھ دو اور برتن ڈھانپ دو اور چراغ بجھا دو'' (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ لوگوں کو عشاء کے بعد باتیں کرنے پر سزا دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے: رات کے ابتدائی حصہ میں قصہ خوانی کرنا اور رات کے آخری حصہ میں سونا! اپنے اعمال لکھنے والے فرشتوں کو راحت دو حتی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس نے عشاء کے بعد شعر کا ایک مصرعہ پڑھا اس کی صبح تک نماز قبول نہ ہوگی، اس کی حضرت شداد بن اوس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک سند چلائی ہے۔ بعض علماء نے کہا: عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کی کراہت میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو سکون کے لیے بنایا ہے جب آدمی اس میں باتیں کرے گا اور دن کے وقت سوئے گا جبکہ اللہ تعالیٰ نے دن کو معاش کی تلاش کے لیے بنایا ہے تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی اس حکمت کی مخالفت کی جو اس نے اس کے وجود پر جاری فرمائی ہے۔ فرمایا: وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ۝ (الفرقان)

مسئلہ نمبر 4۔ یہ کراہت ایسی باتوں کے ساتھ مختص ہے جو عبادت، اذکار اور علم کی تعلیم کے زمرہ سے نہ ہوں اور اہل علم کی گفتگو اور مصالح کی تعلیم وغیرہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین سے ایسی روایات وارد ہیں جو اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں بلکہ اس کی ندبیت، استحباب پر دلالت کرتی ہیں۔ امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے۔ باب السمر فی الفقه والخير بعد العشاء۔ ذکر کیا جاتا ہے کہ قرۃ بن خالد نے کہا: ہم نے حسن کا انتظار کیا انہوں نے ہمارے پاس آنے سے دیر لگا دی حتی کہ وہ اس وقت آئے جب وہ وہاں سے چلے جاتے تھے پس وہ آئے اور کہا: ہمارے پڑوسیوں نے ہمیں بلایا تھا۔ پھر حضرت انس نے فرمایا: ہم نے ایک رات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کیا حتی کہ جب آدھی رات کا وقت ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں نے نماز پڑھ لی اور تم نماز میں رہے جب تک تم نماز کے منتظر رہے'' (2)۔ حسن نے کہا: قوم خیر میں ہوتی ہے جب تک خیر کے انتظار میں ہوتی ہے۔ فرمایا: باب السمر مع الضيف والاهل۔ اس کے تحت امام بخاری نے ابوبکر بن عبد الرحمن کی حدیث لکھی ہے کہ اصحاب صفہ فقراء تھے۔ الحدیث۔ اس کو امام مسلم نے نقل کیا ہے، نیز سرحدوں کی حفاظت اور رات کے وقت لشکروں کی حفاظت پر ثواب اور اجر عظیم ذکر کیا ہے جو اخبار میں مشہور ہے۔ یہ سب آل عمران کے آخر میں گزر چکا ہے۔

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ۝٦٨

''کیا انہوں نے کبھی تدبر نہ کیا قرآن میں؟ یا آئی تھی ان کے پاس ایسی چیز جو نہ آئی تھی آپ کے پہلے آباء اجداد کے پاس''۔

1۔ ابو داؤد، کتاب، ابواب النوم، باب ما جاء في الديك والبهائم، حدیث نمبر 4440، روایت بالمعنی

2۔ صحیح بخاری، السمر في الفقه والخير بعد العشاء، جلد 1، صفحہ 84

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ۔ القول سے مراد قرآن ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (النساء: 82) قرآن کو قول کہا گیا کیونکہ اس کے ساتھ انہیں خطاب کیا گیا، اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ۔ انہوں نے اس سے اعراض کیا اور اس کا انکار کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: ام بمعنی بل ہے یعنی بلکہ ان کے پاس آئی ہے ایسی چیز جس کا ان کے آباء کے لیے عہد نہ تھا اسی وجہ سے انہوں نے اس کا انکار کیا اور اس میں غور وفکر کو ترک کر دیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بعض علماء نے کہا: اس کا معنی ہے یا ان کے پاس عذاب سے امان کا پروانہ آیا ہے یہ وہ چیز ہے جو ان کے پہلے آباء کے پاس نہیں آئی تھی پس انہوں نے عزت والے قرآن کو ترک کر دیا۔

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٦٩﴾

"یا انہوں نے اپنے رسول (مکرم) کو نہ پہچانا تھا اس لیے وہ اس کے منکر تھے"۔

عرب یہ ترکیب توقیف اور تقبیح کے معنی پر استعمال کرتے ہیں عرب کہتے ہیں: الخير أحب اليك ام الشر یعنی میں نے تجھے شر کے بارے میں بتا دیا اس لیے تو اس سے اجتناب کر۔ وہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان چکے تھے اور وہ پہچان چکے تھے کہ اہل صدق، امانت سے ہے اور اس کی اتباع میں نجات اور خیر ہے اگر ہٹ دھرمی نہ ہوتی۔ سفیان نے کہا: کیوں نہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان چکے تھے لیکن انہوں نے آپ سے حسد کیا۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۰﴾

"یا کہتے ہیں کہ اسے سودا کا مرض ہے (یوں نہیں) بلکہ وہ تشریف لایا ان کے پاس حق کے ساتھ اور بہت سے لوگ ان میں سے حق کو ناپسند کرتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ یعنی کیا وہ ایمان کے ترک پر اس سے حجت پکڑتے ہیں کہ اسے سودا کا مرض ہے۔ حقیقت ایسی نہیں کیوں کہ اس سے جنون کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوتی۔ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ الحق سے مراد قرآن، توحید حق اور دین حق ہے۔ وَ اَكْثَرُهُمْ یعنی تمام کے تمام۔ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۰﴾ حسد، تقلید، اور نافرمانی کی وجہ سے حق کو ناپسند کرتے ہیں۔

وَ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۰﴾ؕ

"اور اگر پیروی کرتا حق ان کی خواہشات (نفسانی) کی تو درہم برہم ہو جاتے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے بلکہ ہم ان کے پاس لے آئے ان کی نصیحت تو وہ اپنی نصیحت سے ہی روگردانی کرنے والے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ یہاں الحق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یہ اکثر علماء کا قول ہے ان میں سے مجاہد، ابن جریج اور ابو صالح وغیرہ ہیں (1)۔ عربی میں اس کی تقدیر اس طرح ہے لو اتبع صاحب الحق۔ یہ نحاس کا قول ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 151

بعض نے کہا: یہ مجاز ہے یعنی اگر حق ان کی خواہشات کے موافق ہوتا۔ موافقت کو مجازاً اتباع بنایا یعنی اگر وہ رسولوں کا انکار کرتے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے پھر انہیں سزا نہ دی جاتی اور انہیں اس پر جزا نہ دی جاتی خواہ عجز کی وجہ سے یا جہالت کی وجہ سے تو آسمان و زمین کا نظام خراب ہو جاتا۔ بعض علماء نے کہا: اس کا معنی ہے اگر حق وہ ہوتا جو وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود بنا لیے جائیں تو ان میں اختلاف پیدا ہوتا۔ بعض ایسی چیز کا ارادہ کرتے جس کا دوسرے ارادہ نہ کرتے تو نظام درہم برہم ہو جاتا اور آسمان اور زمین کا معاملہ خراب ہو جاتا اور جو کچھ ان میں ہے اس میں بھی بگاڑ پیدا ہو جاتا۔ بعض علماء نے کہا: لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ یعنی الحق اگر لوگوں کی خواہشات کی اتباع کرتا اور اس کی اتباع کرتا جو لوگ چاہتے ہیں تو عالم کا نظام باطل ہو جاتا کیونکہ لوگوں کی شہوات مختلف اور متضاد ہیں حق کا راستہ ہی متبوع ہے اور لوگوں کا راستہ حق کی پیروی ہے۔ بعض علماء نے کہا: الحق سے مراد قرآن ہے، یعنی قرآن ان کی خواہشات کے مطابق نازل ہوتا تو آسمان اور زمین کا نظام گڑ بڑ ہو جاتا۔ وَ مَنْ فِيْهِنَّ یہ آسمان کے ملائکہ، زمین کے جن وانس کی طرف اشارہ ہے؛ یہ ماوردی کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: جو ان کے درمیان مخلوق ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود کی قرأت ہے لفسدت السموات والارض وما بینهما کلبی اور حضرت ابن مسعود کی قرأت کی تاویل پر معقول اور غیر معقول سب کے فساد کو شامل ہے۔ قرآن کا ظاہر جمہور کی قرأت میں عقل والوں کے فساد پر محمول ہے کیونکہ جو غیر ذوی العقول ہیں وہ صلاح اور فساد میں ذوی العقول کے تابع ہیں۔ اس بنا پر جو فساد ہوگا وہ آسمان کے فرشتوں کی طرف لوٹے گا کہ انہیں ارباب بنایا گیا حالانکہ مربوب ہیں ان کی عبادت کی گئی حالانکہ وہ عبادت گزار ہیں اور انسانوں کا افساد دو وجوہ پر ہوگا۔ ایک خواہشات نفسانی کی وجہ سے اور یہ مہلک ہے۔ دوسرا غیر اللہ کی عبادت کی وجہ سے اور یہ کفر ہے۔ رہا اس کے علاوہ کا فساد تو وہ بالتبع ہے، کیونکہ ان کی تدبیر ذوی العقول کے ذریعے کی جاتی ہے پس تدبیر کرنیوالوں کا فساد ان پر ہی لوٹے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ ہم ان کے پاس ان کی نصیحت لے آئے جس میں ان کے لیے شرف اور عزت ہے؛ یہ سدی اور سفیان کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: جس میں ان کے ثواب اور عقاب کا ذکر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس میں حق کا بیان ہے اور اس کا ذکر ہے امر دین میں سے جس کی انہیں ضرورت ہے۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّ هُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝

"کیا آپ طلب کرتے ہیں ان سے کچھ معاوضہ؟ (آپ کے لیے) تو آپ کے رب کی عطا بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا جو آپ ان کے پاس لائے ہیں کیا آپ ان سے اس پر اجر طلب کرتے ہیں؛ یہ حسن وغیرہ کا قول ہے۔ فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ، حمزہ، کسائی، اعمش اور یحییٰ بن وثاب نے خراجاً الف کے ساتھ پڑھا ہے سوائے ابن عامر اور ابو حیوہ کے انہوں نے بغیر الف کے پڑھا ہے۔ معنی یہ ہے کیا آپ ان سے رزق طلب کرتے ہیں آپ کے رب کا رزق بہتر ہے۔ وَّ هُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ کوئی شخص قادر نہیں کہ وہ اس کے رزق کی مثل رزق دے۔ اور اسکی مثل انعام نہیں دیتا۔ بعض نے کہا: جو اللہ تعالیٰ آپ کو اجر میں سے ادا کرے گا اور اس کی بارگاہ میں دعا، دنیا کے سامان سے بہتر ہے

انہوں نے آپ کو اموال پیش کیے تا کہ قریش کے ایک شخص کی طرح ہو جائیں تو آپ نے اسے قبول نہ کیا؛ یہ حسن نے معنی بیان کیا ہے۔ الخراج اور الخراج کا ایک معنی ہے مگر کلام کا اختلاف احسن ہے یہ الاخفش کا قول ہے اور ابو حاتم نے کہا: میں نے ابو عمرو بن العلاء سے الخراج اور الخرج کا فرق پوچھا تو انہوں نے کہا: خراج وہ ہے جو تم پر لازم ہو اور خرج وہ ہے جو تو اپنی طرف سے خود دے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ الخرج وہ ہوتا ہے جو غلاموں سے وصول کیا جاتا ہے۔ پہلا قول ثعلبی نے اور دوسرا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

وَ اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ۝

''اور بیشک آپ تو انہیں بلاتے ہیں سیدھی راہ کی طرف۔ بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر وہ راہ راست سے منحرف ہونے والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ یعنی آپ انہیں دین قیم کی طرف بلاتے ہیں۔ الصراط کا لغوی معنی راستہ ہے۔ دین کو راستہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ جنت تک پہنچاتا ہے پس یہ اس کا راستہ ہے۔ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یعنی وہ دوبارہ اٹھنے پر ایمان نہیں رکھتے۔ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ۝ بعض نے کہا: یہ پہلے کی مثل ہے۔ بعض نے کہا: وہ جنت کے راستہ سے منحرف ہونے والے ہیں حتی کہ دوزخ کی طرف جانے والے ہیں۔ نکب عن الطریق ینکب نکوباً(1) کا معنی ہے راستہ سے ہٹ جانا دوسری طرف مائل ہو جانا اس سے ہے: نکبت الریح جب وہ گزرگاہ پر سیدھی نہ چلے۔ شر الریح النکباء سب سے بری ہوا وہ ہے جو الٹی چلنے والی ہو۔

وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

''اور اگر ہم ان پر مہربانی بھی فرمائیں اور دور بھی کر دیں اس مصیبت کو جس میں مبتلا ہیں پھر بھی وہ بڑھتے جائیں گے اپنی سرکشی میں اندھے بنے ہوئے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ یعنی اگر ہم انہیں دنیا کی طرف لوٹا دیں اور انہیں دوزخ میں داخل نہ کریں اور ہم پھر انہیں آزمائیں۔ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ سدی نے کہا: وہ اپنی معصیتوں میں بڑھتے جائیں گے۔ يَعْمَهُوْنَ ۝ یعنی وہ سرگرداں رہیں گے۔ ابن جریج نے کہا: وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ یعنی دنیا میں اگر ان پر مہربانی کریں۔ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ اور قحط اور بھوک ان سے دور کر دیں۔ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ تو یہ اپنی گمراہی اور حد سے تجاوز کرنے میں سرکش ہوتے جائیں گے۔ يَعْمَهُوْنَ بدحواس ہوں گے اور متذبذب ہوں گے۔

وَ لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَ مَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝

''اور ہم نے پکڑ لیا انہیں عذاب سے پھر بھی وہ نہ جھکے اپنے رب کی بارگاہ میں اور نہ وہ اب گڑگڑا کر (توبہ

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 352

کرتے) ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ، ضحاک نے کہا: عذاب سے مراد بھوک ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد امراض، حاجت اور بھوک ہے۔ بعض نے کہا: قتل اور بھوک ہے۔ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وہ نہ جھکے۔ وَ مَا يَتَضَرَّعُوْنَ جو انہیں تکالیف پہنچتی ہیں ان میں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں جھکتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ ثمامہ بن آثال کے واقعہ میں نازل ہوئی جب اسے ایک لشکر نے پکڑ لیا اور اس نے اسلام قبول کر لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آزاد کر دیا تو وہ مکہ والوں اور سامان رسد کے درمیان حائل ہو گیا اس نے کہا: اللہ کی قسم! نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر گندم کا ایک دانہ بھی یمامہ سے مکہ والو! تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کو قحط اور بھوک میں مبتلا کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے مردار، کتے اور العلهز کھائے۔ پوچھا گیا: العلهز کیا ہے؟ فرمایا وہ اون اور اونٹوں کے بال لیتے تھے اسے خون کے ساتھ تر کرتے تھے پھر اسے بھونتے تھے اور اسے کھاتے تھے۔ ابو سفیان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں کیا آپ کہتے نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیوں نہیں"۔ ابو سفیان نے کہا: آپ نے آباء کو تلوار کے ساتھ قتل کر دیا اور اولاد کو بھوک کے ساتھ قتل کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی، وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ... الخ۔

حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾

"یہاں تک کہ جب ہم کھول دیں گے ان پر دروازہ سخت عذاب والا وہ اس وقت بالکل مایوس ہو جائیں گے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ عکرمہ نے کہا: یہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اس پر چار لاکھ فرشتے مقرر ہیں ان کے چہرے کالے ہیں، ان کے دانت باہر نکلے ہوئے ہیں، ان کے دلوں سے رحمت نکالی گئی ہے جب یہ کافر اس دروازے پر پہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ اسے ان پر کھول دے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ ان کا بدر کے دن تلوار سے قتل کرنا ہے (1)۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد قحط ہے جو انہیں پہنچا تھا حتیٰ کہ انہوں نے بھوک کی وجہ سے اون کھائی تھی جیسا کہ پہلے گزر ا ہے۔ بعض نے کہا: عذاب شدید سے مراد فتح مکہ ہے۔

اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ وہ مایوس و متحیر ہوں گے وہ نہ جانتے ہوں گے کہ کیا کریں جیسے ہر خوشحالی اور خیر سے محروم شخص ہوتا ہے۔ یہ سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے۔

وَ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

"اور وہ وہی ہے جس نے بنائے تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل لیکن (ان عظیم نعمتوں پر بھی) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کی کثرت اور کمال قدرت

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 353

کی انہیں پہچان کرائی۔ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٧٨﴾ یعنی وہ بہت تھوڑا شکر کرتے ہیں۔ بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے وہ بالکل شکر نہیں کرتے۔

وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٧٩﴾

''اور وہ وہی ہے جس نے پھیلا دیا تمہیں زمین (کے اطراف) میں اور (انجام کار) اسی کی جناب میں اکٹھے کیے جاؤ گے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ یعنی وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پیدا کیا اور تمہیں پھیلایا اور تمہیں تخلیق کیا۔ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٧٩﴾ جزاء کے لیے اس کی جناب میں جمع کیے جاؤ گے۔

وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٨٠﴾ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿٨١﴾ قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿٨٢﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَٰذَا مِن قَبْلُ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٨٣﴾ قُل لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَن فِيهَا إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٤﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٨٥﴾ قُلْ مَن رَّبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٨٧﴾ قُلْ مَن بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٨﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ فَأَنَّىٰ تُسْحَرُونَ ﴿٨٩﴾

''اور وہ وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے گردش لیل ونہار، کیا (اتنا بھی) تم نہیں سمجھتے۔ بلکہ انہوں نے بھی وہی بات کہی جو پہلے (کفار) کہا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا: کیا جب ہم مر جائیں گے اور بن جائیں گے خاک اور ہڈیاں تو کیا ہمیں پھر اٹھایا جائے گا۔ بلاشبہ یہ وعدہ کیا گیا ہے ہم سے اور ہمارے باپ دادا کے ساتھ بھی آج سے پہلے (لیکن آج تک پورا نہ ہوا) نہیں ہیں یہ باتیں مگر من گھڑت افسانے پہلے لوگوں کے۔ (اے حبیب!) آپ پوچھیے کس کی ملکیت ہے یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو۔ وہ کہیں گے (یہ سب) اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ آپ فرمائیے: تم اس سے کیوں نہیں ڈرتے؟ آپ پوچھیے: وہ کون ہے جس کے دست قدرت میں ہر چیز کی ملکیت ہے اور وہ پناہ دیتا ہے (جسے چاہے) اور پناہ نہیں دی جا سکتی اس کی مرضی کے خلاف (بتاؤ) اگر تم کچھ علم رکھتے ہو؟ وہ کہیں گے: یہ اللہ تعالیٰ کی ہی شان ہے۔ فرمائیے: پھر کیسے تم دھوکا میں مبتلا ہو جاتے ہو؟''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ دن اور رات کو اس نے مختلف بنایا جیسے تیرا قول ہے لك الاجر والصلة یعنی تجھے اجر دیا جائے گا اور صلہ دیا جائے گا: یہ فراء کا قول ہے۔ بعض نے کہا: دن رات کے

اختلاف سے مراد نور وظلمت میں مختلف ہونا ہے۔ بعض نے کہا: اس سے مراد اس کا تکرار ہے دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن آتا ہے۔ پانچواں احتمال یہ ہے کہ ان میں جو سعادت وشقاوت اور گمراہی وہدایت گزر چکی ہیں اس کا اختلاف مراد ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ کیا تم اس کی قدرت، ربوبیت اور وحدانیت کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ اس کی مخلوق سے اس کا شریک ہونا جائز نہیں وہ دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے پھر انہیں ان کے قول کے ساتھ بدلا اور ان کے متعلق خبر دی کہ انہوں نے کہا اس کی مثل جو پہلے کفار نے کہا۔ انہوں نے کہا: کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہمیں اٹھایا جائے گا یہ تو متصور نہیں ہو سکتا۔ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے بھی ہم سے اور ہمارے آباء سے یہ وعدہ کیا گیا تھا۔ ہم اس کی کوئی حقیقت نہیں دیکھتے اِنْ هٰذَآ، ان بمعنی ما ہے۔ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨٣﴾ یہ ان کی من گھڑت باتیں ہیں۔ یہ پہلے گزر چکا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل، اے پیارے حبیب! ان کے جواب میں فرمائیے لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ کس کی ملکیت ہے یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت، وحدانیت، اور لازوال بادشاہی اور اپنی کامل قدرت کی خبر دے رہے ہیں۔ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ وہ ضرور کہیں گے اللہ۔ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ تو آپ فرمائیے: کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے اور نہیں جانتے کہ جو ابتداءً اس کی تخلیق پر قادر ہے وہ ان کے مرنے کے بعد ان کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٨٦﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٨٧﴾ یعنی کیا تم نہیں ڈرتے ہو کہ تم میرے لیے وہ بناتے ہو جو تم اپنے لیے ناپسند کرتے ہو تم کہتے ہو کہ ملائکہ میری بیٹیاں ہیں اور تم اپنے لیے بیٹیاں ناپسند کرتے ہو۔ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ اس سے مراد آسمان اور جو کچھ ان کے اوپر ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور وہ چیزیں مراد ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مجاہد نے کہا: مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ ہر چیز کے خزائن۔ ضحاک نے کہا: ہر چیز کی ملک۔ ملکوت مبالغہ کی صفات سے ہے جیسے جبروت اور رہبوت۔ یہ سورۂ انعام میں گزر چکا ہے۔ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے جسے چاہتا ہے امن دیتا ہے وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اور جسے وہ ڈراتا ہے اسے امن نہیں دیا جاتا۔ بعض نے کہا: یہ دنیا میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس کے ہلاک کرنے اور خوف کا ارادہ فرماتا ہے کوئی روکنے والا اسے روک نہیں سکتا اور جس کی مدد کا اور امن دینے کا ارادہ فرماتا ہے اس کی مدد کوئی روک نہیں سکتا اور اس کے امن کو کوئی روک نہیں سکتا۔ بعض نے کہا: یہ آخرت میں ہوگا یعنی جو ثواب کا مستحق ہے اسے ثواب دینے سے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو عذاب کا مستحق ہے اسے عذاب دینے سے کوئی روکنے والا نہیں۔ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿٨٩﴾ یعنی تم اس کی طاعت اور توحید سے کیسے پھیرے گئے ہو اور کیسے دھوکا دیے گئے ہو یا کیسے یہ تصور دیا گیا ہے کہ تم ایسی چیزوں کو شریک ٹھہراؤ جو نہ نفع دیتی ہیں اور نہ نقصان دیتی ہیں۔ السحر کا معنی خیال کرنا ہے۔ یہ تمام ان عربوں پر حجت ہے جو صانع کا اقرار کرنے والے ہیں۔ ابو عمرو نے آخری دونوں جگہ سیقولون اللہ پڑھا ہے یہی اہل عراق کی قرأت ہے اور باقی قراء نے للہ پڑھا ہے اور پہلے کے للہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ کا جواب ہے جب لمن میں لام مقدم ہوئی تو جواب میں لوٹائی گئی۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ تمام مصاحف میں بغیر الف کے لکھا ہوا ہے اور جنہوں نے

سیقولون اللہ پڑھا تو سوال بغیر لام کے ہے تو جواب بھی اسی طرح آیا اور پہلی صورت میں للہ لام کے ساتھ پڑھا ہے اور سوال میں بھی لام ہے۔ کیونکہ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ کا مطلب ہے قل لمن السموت السبع الخ۔ پس جواب کے ساتھ دیا جب سوال میں لام مقدر کیا گیا اور تیسرے کی علت دوسرے کی علت کی طرح ہے؛ شاعر نے کہا:

إذا قيل من ربّ المزالف والقُرى　　وربُّ الجياد الجُرْد قلت لخالد

اصل میں لمن المزالف ہے۔ مزالف ان شہروں کو کہتے ہیں جو صحراء اور آبادی کے درمیان ہوتے ہیں۔ یہ آیات کفار سے جھگڑنے اور ان کے خلاف حجت قائم کرنے پر دلیل ہیں۔ یہ مسئلہ سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے۔ ان آیات نے آگاہی بخشی کہ جو خلق اختراع، ایجاد اور ابداع پر ابتداءً قادر ہے وہ الوہیت اور عبادت کا مستحق ہے۔

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

''حقیقت یہ ہے کہ ہم نے پہنچا دیا انہیں حق اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے کسی کو (اپنا) بیٹا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ورنہ لے جاتا ہر خدا ہر اس چیز کو جو اس نے پیدا کی ہوتی اور غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے وہ خدا ایک دوسرے پر، پاک ہے اللہ تعالیٰ ان تمام (نازیبا) باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں، وہ جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کو پس وہ بلند ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ یعنی ہم نے انہیں سچا قول پہنچا دیا نہ کہ وہ جو کفار کہتے ہیں یعنی شریک کا اثبات اور دوبارہ اٹھنے کی نفی۔ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وہ جھوٹے ہیں کہ کہتے ہیں: ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ۔ من صلہ ہے وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ۔ من زائدہ ہے تقدیر اس طرح ہے ما اتخذ اللہ ولدا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا جیسا کہ تم نے کہا ہے اور جو اس نے پیدا کیا ہے اس میں اس کے ساتھ کوئی خدا نہیں ہے کلام میں حذف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس کے ساتھ اور خدا ہوتے تو ہر خدا اپنی مخلوق کے ساتھ علیحدہ ہوتا۔ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ قوی، ضعیف پر غالب آتا جیسے بادشاہوں کی نفی پر دلالت کرتا ہے وہ بیٹے کی نفی پر بھی دلالت کرتا ہے کیونکہ بیٹا باپ سے ملک میں جھگڑتا ہے جس طرح شریک جھگڑتا ہے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ بیٹے اور شریک سے وہ پاک ہے۔ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ وہ عالم الغیب ہے۔ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وہ شرک سے پاک ہے۔ نافع، ابوبکر، حمزہ اور کسائی نے عالم رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی ھو عالم الغیب نئی کلام ہے۔ باقی قراء نے للہ کی صفت کی بنا پر، مجرور پڑھا ہے۔ رویس نے یعقوب سے روایت کیا ہے جب وصل کیا تو عالم کو جر دی اور جب ابتدا کی تو رفع دیا۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۝ۙ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

''آپ یہ دعا مانگئے: اے میرے پروردگار! اگر تو ضرور مجھے دکھانا چاہتا ہے وہ (عذاب) جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو میرے رب (ازراہ عنایت) مجھے ان ظالموں کے ساتھ نہ کرنا''۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا سکھائی یعنی تم کہو: اے میرے پروردگار! اگر تو ضرور مجھے وہ عذاب دکھانا چاہتا ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ تو ان پر عذاب نازل ہونے کے وقت مجھے ان ظالم قوم سے نہ کرنا بلکہ مجھے ان سے نکال لینا۔ بعض نے کہا: ندا معترض ہے اور اما میں ما زائدہ ہے۔ بعض نے کہا: اما کی اصل ان ما ہے۔ ان شرط ہے اور ما بھی شرط ہے دونوں شرطوں کو تاکید کے لیے جمع فرمایا۔ اور جواب۔ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ہے یعنی جب تو انہیں عذاب دینے کا ارادہ فرمائے تو مجھے ان سے نکال لینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ظالم قوم سے آپ کو نہیں کرے گا جب ان پر عذاب نازل ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا اور سوال کا حکم دیا تا کہ آپ کا اجر بڑھے اور آپ ہر وقت اپنے پروردگار کا ذکر کرتے رہیں۔

وَ اِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۝

''اور ہم اس بات پر کہ دکھا دیں تجھے وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے قادر ہیں''۔

اللہ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ معلوم کے خلاف بھی قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان میں بھوک اور تلوار کے ساتھ عذاب دکھایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور جو آپ پر ایمان لائے انہیں اس سے بچا لیا۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ۝

''دور کرو اس چیز سے جو بہت بہتر ہے برائی کو، ہم خوب جانتے ہیں جو باتیں وہ بیان کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ درگزر اور مکارم اخلاق کا حکم دیا مکارم اخلاق میں سے جو ان کے درمیان ہیں وہ اس امت میں ہمیشہ محکم اور باقی ہیں اور جو کفار سے صلح اور ترک تعرض اور ان کے امور سے درگزر کا حکم ہے وہ قتال کے حکم کے ساتھ منسوخ ہے۔ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ۝ یعنی جو وہ شرک اور تکذیب بیان کرتے ہیں ہم اسے جانتے ہیں یہ تقاضا ہے کہ یہ آیت موادعۃ (صلح) ہے۔ واللہ اعلم۔

وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ۝ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ۝

''اور کہیے: میرے رب! میں پناہ طلب کرتا ہوں تیری شیطانوں کے وسوسوں سے اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں میرے رب! اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ۝ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ۝۔ الہمزات جمع ہے ہمزۃ کی الہمز کا لغوی معنی ہے دفع کرنا، دور کرنا۔ کہا جاتا ہے: ہمزہ ولمزہ اس نے اسے دور کیا۔ لیث نے کہا الہمز کا معنی ہے پیچھے سے کلام کرنا اور اللمز کا معنی ہے سامنے باتیں کرنا۔ شیطان وسوسہ ڈالتا ہے، ابن آدم کے سینے میں آہستہ آہستہ وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

ارشاد فرمایا: اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ یعنی (کہیے) میں شیطان کی وسوسہ اندازی سے پناہ مانگتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دور کر دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے آپ شیطان کے وسوسہ اور دخل اندازی سے پناہ مانگتے تھے (1) ابو الہیثم نے کہا: جب آہستہ کلام کرے اور اسے پوشیدہ کرے تو اسے الھمس کہتے ہیں شیر کو ہموس کہتے ہیں کیونکہ وہ اتنا آہستہ چلتا ہے کہ اس کے چلنے کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ یہ سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو شیطان کی تحریک اور وسوسہ سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ یہ غصہ کا ابھار ہے جس پر انسان ضبط نہیں کر سکتا گویا یہ وہ ہے جو مومنین کو کفار کے ساتھ پہنچتی ہے تاکہ مقابلہ شروع ہو جائے اسی وجہ سے یہ اس آیت کے ساتھ متصل ہے، غصہ کی زیادتی اور شدت شیطان کی طرف سے ہوتی ہے آیت میں اس سے پناہ مانگی گئی ہے۔ سورۂ اعراف کے آخر میں اس کا بیان تفصیلاً گزر چکا ہے۔ اور کتاب کے آغاز میں بھی گذر چکا ہے۔ علی بن حرب بن محمد طائی سے مروی ہے فرمایا ہمیں سفیان نے بتایا انہوں نے ایوب سے انہوں نے محمد بن حبان سے روایت کیا کہ حضرت خالد رات کو جاگتے رہتے تھے انہوں نے اپنی بے خوابی کی شکایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تو آپ نے انہیں ان کلمات سے پناہ مانگنے کا حکم دیا أعوذ بکلمات اللہ التامۃ من غضب اللہ وعقابہ ومن شر عبادہ ومن ھمزات الشیاطین وان یحضرون (2)۔ ابوداؤد کی کتاب میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمزہ سے مراد الموتۃ ہے ابن ماجہ نے کہا: الموتۃ سے مراد جنون ہے اور جنون سے پناہ مانگنا موکد ہے، حضرت ابی کی قرات میں رب عائذا بك من ھمزات الشیاطین وعائذا بك ان یحضرون ہے یعنی میں پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان میرے امور میں میرے ساتھ ہو، کیونکہ شیطان جب انسان کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو وہ طعنہ زنی کے لیے تجاوز کرتے تھے اور جب وہ حاضر نہیں ہوتے تو طعنہ زنی نہیں ہوتی۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر سے مروی ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "شیطان تم میں سے ہر شخص کے پاس ہر کام میں موجود ہوتا ہے حتیٰ کہ کھانے کے وقت بھی حاضر ہوتا ہے جب کسی کے ہاتھ سے لقمہ گرے تو وہ اس سے مٹی وغیرہ جھاڑے پھر اسے کھا لے اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔ اور جب کھانے سے فارغ ہو تو اپنی انگلیاں چاٹ لے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ کس کھانے میں برکت ہے" (3)۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

"یہاں تک کہ جب آئے گی ان میں سے کسی کو موت تو وہ (بصد حسرت) کہے گا: میرے مالک! مجھے (دنیا میں) واپس بھیج دے، شاید میں اچھے کام کروں اس دنیا میں دوبارہ جا کر جسے میں ایک بار چھوڑ آیا ہوں، ایسا نہیں ہو سکتا یہ ایک (لغو) بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے آگے ایک آڑ ہے اس دن تک جب وہ دوبارہ

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 3828　2۔ جامع ترمذی، حدثنا محمد بن حاتم، جلد 2، صفحہ 191
3۔ صحیح مسلم، استحباب لعق الاصابع والقصعۃ واکل اللقمۃ الساقطۃ، جلد 2، صفحہ 176

زندہ کیے جائیں گے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ کلام کو پھر مشرکین کی طرف لوٹایا یعنی انہوں نے کہا: ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾ پھر ان پر حجت قائم کی اور انہیں ہر چیز پر اپنی قدرت یاد دلائی پھر فرمایا: وہ اس پر مصر ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے گی تو اسے اپنی گمراہی کا یقین ہوگا اور وہ ان ملائکہ کو دیکھے گا جو اس کی روح قبض کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ (الانفال:50) قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لوٹنے کی تمنا کرے گا تاکہ اعمال صالحہ کرے جسے وہ چھوڑ آیا ہے۔ کبھی قول دل میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ (المجادلۃ:8) اور ارْجِعُوْنِ کا قول، وہ اپنے رب سے مخاطب ہے اس نے ارجعنی نہیں کہا تعظیم کیلئے جمع کا صیغہ استعمال کیا۔ بعض نے فرمایا: انہوں نے ابتدا میں اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کیا ان کے کہنے والے نے کہا: رب۔ پھر فرشتوں سے مخاطب ہوا اور کہا ارجعون الی الدنیا مجھے دنیا کی طرف لوٹا دو؛ یہ ابن جریج کا قول ہے۔ بعض نے کہا: ارْجِعُوْنِ تکرار کی جہت سے ہے یعنی ارجعنی ارجعنی ارجعنی۔ مزنی نے اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ (ق:24) کی تفسیر میں کہا: اس کا معنی ہے الق الق۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد مشرک ہیں۔ میں کہتا ہوں: رجوع کا سوال کافر کے ساتھ مختص نہیں مومن بھی رجوع کا سوال کرے گا جیسا کہ سورۂ منافقین کے آخر میں آئے گا، یہ آیت دلیل ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا حتیٰ کہ وہ اضطراری طور پر جان لیتا ہے کہ کیا وہ اولیاء اللہ سے ہے یا اللہ کے دشمنوں سے ہے اگر یہ نہ ہوتا تو مومن لوٹنے کا سوال نہ کرتا پس وہ جان لیتے ہیں موت کے نزول اور اس کا ذائقہ چکھنے سے پہلے لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی گواہی دینا ہے۔ فِيْمَا تَرَكْتُ جو میں نے طاعات میں سے ضائع کیا اور چھوڑ دیا۔ بعض نے فرمایا: فِيْمَا تَرَكْتُ جو مال میں نے چھوڑا تاکہ میں صدقہ کروں۔ لعل تردد کو متضمن ہے یہ وہ ہے جو لوٹنے کا سوال کرے گا جب کہ اسے عذاب کا یقین ہو چکا ہوگا وہ قطعی طور پر عمل صالح کا قول کرے گا اسے کوئی تردد نہ ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تردد یا تو دنیا کی لوٹنے کی طرف راجع ہے یا توفیق کی طرف راجع ہے یعنی میں عمل صالح کروں گا اگر تو مجھے توفیق عطا فرمائے گا کیونکہ قدرت و توفیق کا وجود قطعی نہیں ہے اگر وہ دنیا کی طرف لوٹایا بھی گیا۔ کلا یہ کلمہ رد ہے یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوگا جیسا کہ اس نے گمان کیا ہے کہ دنیا کی طرف لوٹنے کی استدعا قبول کی جائے گی بلکہ یہ کلام ہوا میں بکھر جائے گا۔ بعض نے کہا: اگر قبول کر لیا جائے جو وہ طلب کر رہا ہے تو وہ اپنے کہنے کو پورا نہیں کرے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام:28) بعض علماء نے فرمایا۔ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یعنی اس کی خبر میں خلاف نہیں اس نے خبر دی ہے کہ ہرگز کسی نفس کو مہلت نہیں دے گا جب اس پر اس کی موت کا وقت آ جائے گا اور اس نے خبر دی کہ یہ کافر ایمان نہیں لائے گا بعض نے کہا۔ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا موت کے وقت وہ یہ کہے گا لیکن اسے نفع نہیں دے گا۔ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ یعنی ان کے آگے آڑ ہے۔ بعض نے کہا: ان کے پیچھے آڑ ہے یعنی موت اور بعث کے درمیان آڑ ہے؛ یہ

ضحاک، مجاہد اور ابن زید کا قول ہے۔ مجاہد سے مروی ہے دنیا و آخرت کے درمیان آڑ ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حجاب ہے۔ سدی نے کہا: مدت ہے۔ قتادہ نے کہا: دنیا کا بقیہ ہے۔ بعض نے کہا: قیامت تک مہلت دینا ہے؛ یہ ابن عیسی نے حکایت کیا ہے۔ کلبی نے کہا: دو صوروں کے درمیان کی مدت ہے۔ ان کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہے۔ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں۔ دو چیزوں کے درمیان آڑ کو برزخ کہتے ہیں۔ جوہری نے کہا البرزخ بین الشیئین دو چیزوں کے درمیان آڑ کو برزخ کہتے ہیں۔ دنیا اور آخرت کے درمیان موت کے وقت سے لے کر دوبارہ اٹھنے تک کا وقفہ برزخ ہے۔ جو فوت ہو گیا وہ برزخ میں داخل ہو گیا۔ ایک شخص نے امام شعبی کی موجودگی میں کہا: اللہ تعالیٰ نے فلاں پر رحم فرمایا وہ اہل آخرت سے ہو گیا۔ شعبی نے کہا: وہ اہل آخرت سے نہیں ہوا بلکہ وہ اہل برزخ سے ہوا ہے۔ دنیا اور آخرت میں سے نہیں ہے یوم کو یبعثون کی طرف مضاف کیا گیا ہے کیونکہ یہ ظرف زماں ہے اضافت سے مراد مصدر ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَىِٕذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ ۝

"تو جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی رشتہ داریاں نہ رہیں گی ان کے درمیان اس روز اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ اس نفخہ سے مراد نفخہ ثانی ہے۔ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَىِٕذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ آخرت میں نہیں پوچھیں گے نسب کے بارے میں جیسے دنیا میں پوچھتے ہیں یعنی تو کس قبیلہ سے ہے؟ نہ یہ پوچھیں گے کہ کس نسب سے تعلق رکھتا ہے قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے تعارف نہیں طلب کریں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ نفخہ اولیٰ میں ہوگا جب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہے سب پر غشی طاری ہو جائے گی مگر جسے اللہ چاہے گا (2)۔ ان کے درمیان اس دن کوئی نسب و رشتہ داری نہ رہے گی اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھیں گے پھر اس میں دوسرا صور پھونکا جائے گا جب وہ کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔ وہ ایک دوسرے کی طرف سوال کرتے ہوئے متوجہ ہوں گے۔ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت اور فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ (الصافات) کے متعلق پوچھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پہلے نفخہ میں وہ نہیں پوچھیں گے کیونکہ زمین پر کوئی زندہ باقی نہیں رہے گا پس نہ نسب ہوگا نہ سوال ہوگا۔ رہا فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ تو جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو ایک دوسرے کے متعلق پوچھیں گے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اس آیت میں نفخہ ثانی مراد ہے۔ ابو عمر زاذان نے کہا: میں حضرت ابن مسعود کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ اصحاب خیر و برکت مجھ سے ان کی بارگاہ میں سبقت لے گئے ہیں میں نے بلند آواز سے کہا: اے عبد اللہ بن مسعود! یہ اس وجہ سے ہے کہ میں عجمی ہوں آپ نے ان کو قریب کیا ہے اور مجھے دور کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: قریب ہو، میں قریب ہوا حتی کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی بیٹھنے والا نہ تھا میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا: بندے یا بندی کا ہاتھ قیامت کے دن پکڑا جائے گا اولین و آخرین کے

1۔ احکام القرآن للطبری، جز 18، صفحہ 66
2۔ ایضاً، جز 18، صفحہ 67

سروں پر اسے کھڑا کیا جائے گا پھر ندا دینے والا ندا دے گا: یہ فلاں بن فلاں ہے جس کے لیے حق ہو وہ اپنے حق کی طرف آئے
عورت خوش ہوگی کہ اس کے لیے حق اس کے باپ پر یا اس کے خاوند پر یا اس کے بھائی پر یا اس کے بیٹے پر پھیرا جائے گا،
پھر حضرت ابن مسعود نے یہ پڑھا: فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١٠١﴾ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ان کے حقوق لاؤ۔ وہ
کہیں گے: یا رب! دنیا فنا ہوگئی ہے۔ پس میں ان کے حقوق کہاں سے لاؤں؟ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا: اس کی نیکیوں
سے لے لو اور ہر انسان کو اس کے مطالبہ کی مقدار دے دو۔ اگر وہ اللہ کا ولی ہوگا ایک رائی کے دانہ کی مقدار نیکیاں ہوں گی تو
اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا بڑھا دے گا حتی کہ اس کے ذریعے اسے جنت میں داخل کرے گا۔ پھر حضرت ابن مسعود نے یہ پڑھا۔
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿﴾ (النساء) اگر وہ شقی ہوگا تو
فرشتے کہیں گے یا رب! اس کی نیکیاں ختم ہوگئی ہیں اور مطالبہ کرنے والے باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: حق طلب کرنے
والے کے برے اعمال میں سے لے کر اس کی برائیوں کے ساتھ ملا لو اور اس کے لیے جہنم کا پروانہ لکھ دو (1)۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٣﴾

"البتہ جن کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب و کامران ہوں گے۔ اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں
گے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو وہ جہنم میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے"۔

اس پر کلام گزر چکی ہے۔

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا
تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٠٥﴾

"بری طرح جھلس دے گی ان کے چہروں کو آگ اور وہ اس میں دانت نکالے ہوں گے۔ (اب منہ کیوں
بسورتے ہو؟) کیا ہماری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں تمہارے سامنے اور تم انہیں جھٹلایا کرتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ۔ کہا جاتا ہے: تنفخ دونوں کا ایک معنی ہے اسی سے ہے وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ
نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ (الانبیاء: 46) مگر لفح تکلیف کے اعتبار سے زیادہ ہے کہا جاتا ہے: لفحته النار والسموم بحرها
یعنی آگ نے اسے جلا دیا اور گرم ہوا نے اپنی گرمی سے جلا دیا۔ لفحته بالسیف لفحة جب کوئی آہستہ سے کسی کو تلوار مارے وَ
هُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے منہ بسورنے والے۔ اہل لغت نے کہا: بیوست میں دانت
نکالنے کو الکلوح کہتے ہیں الکالح جس کے ہونٹ سکڑ گئے ہوں اور دانت باہر نکل آئے ہوں۔ اعشی نے کہا:

وله المُقْدَمُ لا مِثْلَ له ساعةَ الشِّدْقِ عن النّابِ كَلَحْ

1۔ حلیۃ الاولیاء، ابو نعیم، جلد 4، صفحہ 202-201

کلح الرجل کلوحا و کلاحا، وما اقبح کلحته۔ اس سے مراد منہ اور اس کے اردگرد کا حصہ سکڑنا ہے۔ دھر کالح، سخت زمانہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے ہونٹ سکڑ گئے ہوں اور اس کی پیپ بہ گئی ہو۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: کیا آپ نے اس سر کی طرف نہیں دیکھا جسے آگ کے ساتھ کنگھی کی جائے گی اور ان کے دانت نکلے ہوئے ہوں گے اور ہونٹ خشک ہو چکے ہوں گے۔ امام ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ آگ اسے بھون دے گی اس کا اوپر والا ہونٹ سکڑ جائے گا (1) حتیٰ کہ وہ سر کے درمیان تک پہنچ جائے گا اور نیچے والا ہونٹ اس کی ناف تک پہنچ جائے گا۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ﴿١٠٦﴾ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ﴿١٠٨﴾

"(معذرت کرتے ہوئے) کہیں گے: اے ہمارے رب! غالب آ گئی تھی ہم پر ہماری بدبختی اور ہم گم کردہ راہ لوگ تھے اے ہمارے مالک! ہمیں نکال اس سے پھر اگر ہم نافرمانی کی طرف رجوع کریں تو یقیناً پھر ہم ظالم ہوں گے۔ جواب ملے گا: پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اس میں اور مت بولو میرے ساتھ"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا اہل مدینہ، ابو عمرو اور عاصم کی قرات شقوتنا ہے اور عاصم کے سوا کوفیوں نے شقاوتنا پڑھا ہے؛ یہ قرأت حضرت ابن مسعود اور حسن سے مروی ہے۔ کہا جاتا ہے: شقاء و شقا مد اور قصر کے ساتھ اور اس کے معنی میں بہتر قول یہ ہے کہ ہم پر ہماری لذات و خواہشات نفسانی غالب آ گئیں۔ لذات اور خواہشات کو شقوۃ کا نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ شقاوت تک پہنچاتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا (النساء: 10) کیونکہ یہ عمل انہیں آگ کی طرف لے جاتا ہے اس لئے فرمایا وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے جو ہماری شقاوت تیرے علم میں پہلے تھی اور ام الکتاب میں ہمارے اوپر شقاوت لکھی گئی تھی۔ بعض نے فرمایا: شقاوت سے مراد یہ ہے کہ ہم پر اپنی ذات کے بارے میں حسن ظن اور مخلوق پر سوء ظن کا خیال غالب آ گیا۔ وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ہم اپنے فعل میں ہدایت سے گمراہ تھے۔ یہ ان کی طرف سے عذر نہیں بلکہ یہ اقرار ہے۔ اس پر دلیل یہ قول ہے: رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ﴿١٠٧﴾ وہ دنیا کی طرف لوٹنا طلب کریں گے جیسے موت کے وقت انہوں نے دنیا کی طرف لوٹنا طلب کیا تھا۔ فَإِنْ عُدْنَا اگر ہم کفر کی طرف لوٹے فَإِنَّا ظَالِمُونَ تو کفر کی طرف لوٹنے کی وجہ سے ظلم کرنے والے ہوں گے تو انہیں ہزار سال کے بعد جواب دیا جائے گا: اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ﴿١٠٨﴾ جہنم میں دور چلے جاؤ جیسے کتے کو کہا جاتا ہے: اخسأ دور چلا جا، خسأت الکلب خساء کا مطلب ہے میں نے کتے کو دھتکارا۔ خسا الکلب بنفسہ خسوا۔ کبھی یہ متعدی ہوتا ہے اور کبھی متعدی نہیں ہوتا۔ انخسا الکلب بھی استعمال ہوتا ہے۔ ابن المبارک نے کہا: ہمیں سعید بن ابو عروبہ نے بتایا انہوں نے قتادہ سے روایت کیا انہوں نے ابو ایوب سے انہوں نے حضرت عبد اللہ بن

1۔ جامع ترمذی، صفۃ طعام اهل النار، جلد 2، صفحہ 82۔ ترمذی، حدیث 3100، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عمرو بن عاص سے روایت کیا فرمایا: اہل جہنم، مالک جہنم کے فرشتہ کو پکاریں گے وہ انہیں چالیس سال جواب نہیں دے گا پھر ان پر یہ لوٹائے گا کہ تم یہاں ٹھہرنے والے ہو۔ فرمایا: پھر وہ اپنے رب کو پکاریں گے اور کہیں گے: رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ۔ پھر اللہ تعالیٰ ان پر یہ لوٹائے گا۔ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا۔ فرمایا: اللہ کی قسم! اس کے بعد قوم ایک کلمہ بھی نہیں کہہ سکے گی اور جہنم کی آگ میں صرف چیخ و پکار ہی ہوگی۔ ان کی آواز کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے، جس کی ابتدائی آواز کو زفیر اور آخری آواز کو شہیق کہتے ہیں۔ اس روایت کو امام ترمذی نے مرفوع حضرت ابو الدرداء کی حدیث کے ہم معنی روایت کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: آگ میں کفار کی آواز گدھے کی آواز کی طرح ہوگی اس کا اول زفیر اور آخر شہیق کہلاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کفار کیلئے کتے کی طرح بھونکنا ہوگا۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا: مجھے خبر پہنچی ہے یا مجھے ذکر کیا گیا ہے کہ دوزخی، دوزخ کے فرشتوں سے مدد طلب کریں گے۔ یہ طویل خبر ہے۔ اس کو ابن المبارک نے ذکر کیا ہے مکمل التذکرہ کتاب میں ذکر کی ہے اور اس کے آخر میں ہے پھر پہلے وہ انہیں کوئی جواب نہ دے گا جتنا عرصہ اللہ چاہے گا پھر انہیں ندا دے گا: اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ۔ فرمایا: جب وہ اللہ تعالیٰ کی آواز سنیں گے تو کہیں گے: اب ہمارا پروردگار ہم پر رحم فرمائے گا۔ وہ اس وقت کہیں گے: رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا یعنی ہم پر ہماری کتاب غالب آگئی جو ہم پر لکھی گئی تھی۔ وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ اس وقت ان کی پکار اور دعا ختم ہو جائے گی وہ ایک دوسرے پر کتے کی طرح بھونکیں گے اور پھر جہنم ان پر بند کر دی جائے گی۔

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

"(تمہیں یاد ہے) ایک گروہ میرے بندوں سے ایسا تھا جو عرض کیا کرتا تھا: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ہیں سو تو بخش دے ہمیں اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔ تم نے ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا حتیٰ کہ اس مشغلہ نے غافل کر دیا تمہیں میری یاد سے اور تم ان پر قہقہے لگایا کرتے تھے۔ میں نے بدلہ دے دیا انہیں آج ان کے صبر کا (ذرا دیکھو) وہی ہیں مراد کو پانے والے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا مجاہد نے کہا: اس سے مراد حضرت بلال، حضرت خباب، حضرت صہیب اور فلاں اور فلاں کمزور مسلمان ہیں۔ ابو جہل اور اس کے ساتھی، مسلمانوں سے مذاق کرتے تھے۔ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا نافع، حمزہ اور کسائی نے یہاں اور سورۂ جن میں ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: ابو عمرو نے ان کے درمیان فرق کیا ہے انہوں نے سین کے کسرہ کے ساتھ استہزء کی جہت سے بنایا ہے اور سین کے ضمہ کے ساتھ سخرۃ کی جہت سے بنایا ہے، خلیل، سیبویہ، کسائی اور فراء نے اس تفریق کو نہیں جانا

کسائی نے کہا یہ ہم معنی ہیں جیسے کہا جاتا ہے عُصِیّ دعِصِیّ و لُجّیّ دلِجّیّ۔ ثعلبی نے کسائی اور فراء سے حکایت کیا ہے کہ وہ فرق جو ابو عمرو نے حکایت کیا ہے سین کے کسرہ کے ساتھ استہزا کے معنی میں ہے اور زبان سے مذاق کرنے کے معنی میں ہے اور ضمہ کے ساتھ تسخیر اور بالفعل استعباد کے معنی میں ہے۔ مبرد نے کہا: عربوں سے معانی کے درمیان تفریق لی جاتی ہے رہی تاویل تو اس میں تفریق نہ ہوگی۔ اور سخری میں کسرہ دونوں کیلئے ہے کیونکہ اس جیسے لفظ میں ضمہ ثقیل ہوتا ہے۔ حَتّٰۤى اَنۡسَوۡكُمۡ ذِكۡرِىۡ حتی کہ تم نے ان سے استہزا کی وجہ سے انہیں میرے ذکر سے مشغول کر دیا۔ وَكُنۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ تَضۡحَكُوۡنَ۝ ان سے استہزا کرتے ہوئے ہنستے تھے۔ الانساء کو مومنین کی طرف مضاف کیا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان کی مشغولیت کا سبب تھے مومنین سے کفار کے استہزا کی نحوست ان کے دلوں پر کفر کے غلبہ کی طرف متعدی ہوئی۔ اِنِّىۡ جَزَيۡتُهُمُ الۡيَوۡمَ بِمَا صَبَرُوۡۤا تمہاری اذیت پر جو انہوں نے صبر کیا اس پر آج میں انہیں جزا دوں گا اور جو انہوں نے میری طاعت پر صبر کیا۔ اَنَّهُمۡ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ۝ حمزہ اور کسائی نے ابتداً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مدح کے طور پر ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی لأنهم هم الفائزون۔ اور اس پر جزا کے وقوع کی وجہ سے نصب پڑھنا بھی جائز ہے، تقدیر عبارت اس طرح ہوگی إنی جزیتهم الیوم الفوز بالجنة، میں کہتا ہوں: یہی مفہوم سورۃ المطففین کے آخر میں فَالۡيَوۡمَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنَ الۡكُفَّارِ يَضۡحَكُوۡنَ۝ (مطففین) میں دیکھا جائے گا۔ اس سے مستنبط ہوتا ہے ضعیفوں مساکین کے ساتھ استہزاء نہیں کرنا چاہیے اور انہیں حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے اور ان کی وجہ سے لایعنی قول و فعل میں مشغول نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ سے دوری کا باعث ہے۔

قٰلَ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ عَدَدَ سِنِيۡنَ۝ قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ فَسۡـَٔلِ الۡعَآدِّيۡنَ۝ قٰلَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا لَّوۡ اَنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ۝

"اللہ تعالیٰ فرمائے گا: (ذرا بتاؤ) کتنے سال تم زمین میں ٹھہرے رہے؟۔ کہیں گے: ہم ٹھہرے تھے بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ آپ پوچھ لیں سال گننے والوں سے۔ ارشاد ہوگا: نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ کاش! تم اس (حقیقت) کو (پہلے ہی) جان لیتے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قٰلَ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ قبور میں رہنے کے متعلق سوال ہوگا۔ بعض نے کہا: دنیا میں مدت حیات کے بارے میں سوال ہوگا یہ سوال مشرکین کیلئے قیامت کے عرصات میں یا دوزخ میں ہوگا۔ عَدَدَ سِنِيۡنَ۝ نون کے فتحہ کے ساتھ کہ یہ جمع سالم ہے اور بعض عرب اسے جر دیتے ہیں اور تنوین دیتے ہیں۔ قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ عذاب کی شدت انہیں قبور میں ٹھہرنے کی مدت بھلا دے گی۔ بعض نے کہا: چونکہ ان سے دونوں نفخوں کے درمیان عذاب اٹھا لیا جائے گا تو وہ قبور میں عذاب کو بھول جائیں گے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس عذاب میں وہ تھے نفخہ اولی سے نفخہ ثانیہ تک وہ انہیں بھلا دے گا کیونکہ جس کو کسی نبی نے قتل کیا یا کسی نے نبی کو قتل کیا یا نبی کی موجودگی میں قتل کیا گیا تو اس مرنے کے وقت سے لے کر نفخہ اولی یعنی پہلا صور پھونکنے تک عذاب دیا جائے گا پھر ان سے عذاب دور کیا جائے

گا۔ پس وہ پانی کی طرح ہو گا حتی کہ دوسرا صور پھونکا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: انہوں نے دنیا میں ٹھہرنے کی مدت اور قبور میں رہنے کے عرصہ کو کم جانا اور اسے تھوڑا سمجھا اس عذاب کی نسبت جس میں وہ مبتلا تھے۔ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّیْنَ۝ حساب لگانے والوں سے پوچھ جو حساب کو جانتے ہیں ہم تو اسے بھول چکے ہیں یا یہ مراد ہے کہ ان فرشتوں سے پوچھ جو دنیا میں ہمارے ساتھ تھے۔ پہلا قول قتادہ کا ہے اور دوسرا قول مجاہد کا ہے۔ ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے قل کم لبثتم فی الارض پڑھا ہے یعنی امر کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ تین معانی کا احتمال رکھتا ہے۔ (ا) قولوا کم لبثتم تم بتاؤ کہ تم کتنا عرصہ ٹھہرے۔ تو کلام ایک کو حکم دینے کیلئے ذکر کی گئی جب کہ مراد جماعت ہے، کیونکہ یہی معنی مفہوم ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ یہ فرشتے کو حکم ہو کہ ان سے قیامت کے روز دنیا میں ٹھہرنے کی مدت کے بارے میں پوچھو یا یہ مراد ہو کہ بتا اے کافر! تم کتنا عرصہ ٹھہرے؟ یہ تیسرا قول ہے۔ باقی قراء نے ماضی کا صیغہ قال پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا یا فرشتوں نے انہیں کہا: تم کتنا عرصہ ٹھہرے؟ حمزہ اور کسائی نے بھی قل اِنْ لبثتم الا قلیلا پڑھا ہے باقی قراء نے قال خبر کی بنا پر پڑھا ہے جیسا کہ ابتدا میں تفسیر میں ذکر کیا گیا یعنی تم نہیں ٹھہرے زمین میں مگر تھوڑا عرصہ۔ یہ اس لیے کہ ان کا قبور میں ٹھہرنا اگرچہ لمبا تھا لیکن متناہی تھا۔ بعض نے کہا: آگ میں ٹھہرنے کی نسبت یہ عرصہ کم تھا کیونکہ اس کی حد نہیں ہے۔ لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ یعنی کاش! تم اس حقیقت کو جانتے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۝

"کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہمارے طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں مہمل پیدا کیا ہے جیسے جانور پیدا کیے گئے پس جنکے لیے نہ ثواب ہے اور نہ عقاب یہ اس قول کی مثل ہے۔ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى۝ (القیامہ) یعنی جانور کی طرح مہمل بغیر فائدہ کے چھوڑ دیا جائے گا۔ ترمذی حکیم ابو عبداللہ محمد بن علی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو غلام پیدا کیا تا کہ وہ اس کی عبادت کریں۔ پس وہ عبادت پر ثواب دے گا اور عبادت کے ترک پر عذاب دے گا اگر وہ اس کی عبادت کریں گے تو آج اس کے آزاد معزز اور دنیا کی غلامی سے آزاد بندے ہوں گے اور دارالسلام میں بادشاہ ہوں گے۔ اگر عبودیت کو ترک کریں گے تو وہ آج بھاگے ہوئے غلام اور گرے ہوئے اور گھٹیا لوگ شمار ہوں گے اور کل آگ کے طبقوں میں قید دشمن ہوں گے۔ عَبَثًا۔ سیبویہ کے نزدیک اور قطرب کے نزدیک حال کی بنا پر منصوب ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: مصدر کی بنا پر منصوب ہے یا مفعول لہ کی حیثیت سے منصوب ہے۔ وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۝ پس انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ حمزہ اور کسائی نے ترجعون تا کے فتحہ اور جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۝

"پس بہت بلند ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے (بے مقصد تخلیق سے) نہیں کوئی معبود بجز اس کے وہ مالک ہے عزت والے عرش کا"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ اللہ تعالیٰ جو مالک حقیقی ہے وہ پاک ہے اولاد، شرکاء اور مدمقابل سے اور کسی

چیز کو بے مقصد اور بے حکمت پیدا کرنے سے کیونکہ وہ حکیم ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝ قرآن میں اس کے علاوہ کسی جگہ اس طرح نہیں ہے۔ ابن محیص اور ابن کثیر سے الکریم رفع کے ساتھ مروی ہے اور اسے اللہ کی صفت بنایا ہے۔

وَ مَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

''اور جو پوجتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو جسکی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے بلاشبہ نہیں کامیاب ہوں گے حق کا انکار کرنے والے۔ اور (اے محبوب!) آپ (یوں) عرض کرو: میرے رب! بخش دے (میری گنہگار امت کو) اور رحم فرما (ہم سب پر) اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ یعنی اسکے لیے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وہ اسے سزا دے گا اور محاسبہ کرے گا۔ انہ ضمیر شان ہے۔ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ حسن اور قتادہ نے لا یفلح فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے جس نے تکذیب کی اور انکار کیا اس کا جو میں نے بھیجا ہے اور جس نے میری نعمتوں کی ناشکری کی وہ کامیاب نہ ہوگا۔ پھر اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ استغفار کرو تا کہ آپ کی امت آپ کی اقتدا کرے۔ بعض علماء نے فرمایا: استغفار کا حکم آپ کی امت کیلئے ہے۔ ثعلبی نے ابن لہیعہ کی حدیث مسند روایت کی ہے ابن لہیعہ نے عبداللہ بن ہبیرہ سے انہوں نے حنش بن عبداللہ صنعانی سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک مصیبت میں مبتلا شخص کے پاس سے گذرے تو انہوں نے اس کے کان میں اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا الخ۔ پڑھ دیا تو وہ ٹھیک ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو نے اس کے کان میں کیا پڑھا ہے''۔ حضرت ابن مسعود نے بتایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر کوئی شخص جو یقین رکھتا ہو وہ اسے پہاڑ پر پڑھے تو وہ اپنی جگہ سے زائل ہو جائے''۔